جامعہ مدنیہ لاہور کا ترجمان

علمی دینی اور اصلاحی مجلہ

انوارِ مدینہ

لاہور

بیاد

عالمِ ربانی محدثِ کبیر حضرۃ مولانا سید حامد میاں رحمہ اللہ

بانی جامعہ مدنیہ

نگران

مولانا سید رشید میاں مدظلہ

مہتمم جامعہ مدنیہ، لاہور

محرم الحرام ۱۴۱۸ھ

مئی ۱۹۹۸ء

سائنسی ادارے "ناسا" کا مرکزی مسلمان سائنسدان

مغربی ممالک اس وقت سائنس اور ٹیکنالوجی کے امام تصوّر کیے جاتے ہیں۔ ایجاد و اختراع ان کی پہچان بن چکی ہے۔ کوئی سائنسی کارنامہ ان کی سند کے بغیر تسلیم نہیں کیا جاتا، مگر مغرب کے ان سائنسدانوں کو اس وقت سخت تعجب ہُوا جب اُن کے علم میں یہ بات لائی گئی کہ امریکہ بلکہ دُنیا کے سب سے بڑے قیمتی اور ترقی یافتہ خلائی پروگراموں کو روبہ عمل لانے والے ادارے "ناسا" کا سب سے بڑا اور مرکزی سائنسدان ایک مسلمان ہے۔ جس کا تعلق اسلامی افریقی ملک "مالی" سے ہے اور اس کا نام شیخ دیارا ہے۔ شیخ دیارا نے اپنی ابتدائی تعلیم "مالی" کے دارالخلافہ "باماکو" میں حاصل کی اس کے بعد فرانس کی مختلف یونیورسٹیوں سے ریاضی اور فزکس کی ڈگریاں لیں۔ پھر وہ ۸ سال قبل امریکہ منتقل ہوگئے وہاں وہ جارج ٹاؤن یونیورسٹی میں فزکس کے پروفیسر متعیّن ہُوئے۔ اس دوران وہ اپنی بے پناہ قابلیت اور صلاحیّت کی وجہ سے ناسا کے ذمہ داروں کی نگاہوں میں آگئے۔ چنانچہ ناسا کی جانب سے اُنھیں خلائی گاڑیاں تیّار کرنے کی ذمہ داری سونپی گئی۔ اب تک اُنھوں نے تین معروف گاڑیاں تیار کی ہیں ایک زہرا سیّارے دوسری سورج، تیسری زحل کے لیے تیّار کی گئی ہے۔ اور اب مریخ کے لیے کام شروع ہوگیا ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ماھنامہ

انوار مدینہ

جلد : ۶ | محرم الحرام ۱۴۱۹ھ ۔ مئی ۱۹۹۸ء | شمارہ : ۸

مدیر
سیّد محمود میاں
مدرس و نائب مہتمم جامعہ مدنیہ لاہور

اس دائرہ میں سُرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ ماہ ستمبر 97 سے آپ کی مدتِ خریداری ختم ہوگئی ہے، آئندہ رسالہ جاری رکھنے کے لیے مبلغ . 130/. ارسال فرمائیں ۔

ترسیلِ زر و رابطہ کیلئے دفتر ماہنامہ "انوارِ مدینہ" جامعہ مدنیہ کریم پارک لاہور
کوڈ ۵۴۰۰۰ فون ۷۷۲۴۳۴۳-۷۴۳-۷۲۰۱۰۸۶
فیکس نمبر ۷۷۲۶۷۰۲-۴۲-۹۲

بدلِ اشتراک

پاکستان فی پرچہ ۱۲ روپے ۔۔۔۔۔ سالانہ	۱۳۰ روپے
سعودی عرب، متحدہ عرب امارات دبئی "	۵۰ ریال
بھارت، بنگلہ دیش ۔۔۔۔۔۔ "	۱۰ امریکی ڈالر
امریکہ افریقہ ۔۔۔۔۔۔۔۔ "	۱۶ ڈالر
برطانیہ ۔۔۔۔۔۔۔۔ "	۲۰ ڈالر

سیّد رشید میاں طابع و ناشر نے شرکت پرنٹنگ پریس لاہور سے چھپوا کر
دفتر ماہنامہ "انوارِ مدینہ" جامعہ مدنیہ کریم پارک لاہور سے شائع کیا۔

اِس شمارے میں

حرفِ آغاز ——— ۳
درسِ حدیث ——— حضرت مولانا سیّد حامد میاںؒ ——— ۷
حمدِ باری تعالیٰ ——— حضرت سیّد نفیس الحسینی شاہ صاحب ——— ۱۱
ذکر اور شکر ——— شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ ——— ۱۲
توبہ کی ضرورت اور اہمیّت ——— حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب ——— ۲۰
شیخ القرّاء قاری عبدالوہاب مکیؒ ——— قاری عبدالقیوم صاحب ——— ۳۰
چھوڑو بھی (نظم) ——— جناب سیّد امین گیلانی صاحب ——— ۴۱
جاوید احمد غامدی کے افکار و نظریات ——— مولانا ڈاکٹر عبدالواحد صاحب ——— ۴۲
حاصل مطالعہ ——— مولانا نعیم الدّین صاحب ——— ۵۴
ایک پُر وقار تقریب ——— محمّد عابد ——— ۶۱
اخبار الجامعہ ——— محمّد عابد ——— ۶۳

رابطہ: دفتر کراچی

حضرت مولانا قاری شریف احمد صاحب مدظلّہٗ، خطیب جامع مسجد سٹی اسٹیشن کراچی

انڈیا میں رابطے کے لیے

حضرت مولانا سیّد رشید الدّین صاحب حمیدی مدظلّہ العالی، مہتمم مدرسہ شاہی مرادآباد یو۔پی۔انڈیا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرفِ آغاز

سیّد محمود میاں

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم امابعد

گزشتہ ماہ کی ۶ر اپریل کو پاکستانی سائنسدانوں نے ملکی تاریخ کا عظیم کارنامہ انجام دیا ملکی سائنسدانوں کا تحقیق اور وسائل سے "غوری میزائل" تیار کر کے اس کا کامیاب تجربہ کر ڈالنا ایسا کارنامہ ہے کہ جس پر خدائے بزرگ و برتر کا جتنا بھی شکر ادا کیا جائے کم ہے۔ غوری راکٹ کی پیدائش پاکستان ہی نہیں بلکہ پُورے عالمِ اسلام کے لیے باعثِ تقویّت ہے یہی وجہ ہے کہ اس کامیاب تجربہ پر سارے عالمِ اسلام میں مسرّت کی لہر دوڑ گئی، جبکہ کُفر کے ایوان مُسلمانوں کی اس کامیابی پر ہل گئے خاص طور پر بھارت اور امریکہ کی بوکھلاہٹ قابلِ دید ہے۔ بھارت کی بوکھلاہٹ کی وجہ تو بالکل ظاہر ہے کہ وہ پاکستان کا پڑوسی اور محارب ملک ہے پچاس سال کے عرصہ میں براہِ راست کئی جنگیں لڑ چکے ہیں جبکہ سرد جنگ کا سلسلہ تاحال جاری ہے اور مستقبل قریب میں کوئی اچھی اُمّید وابستہ نہیں کی جاسکتیں۔

امریکہ بہادر کی تشویش کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے اور یہ حقیقت بھی ہے کہ وہ اس وقت دُنیا میں اپنی ساکھ برقرار رکھنے کے لیے ہاتھ پاؤں مار رہا ہے۔ اس لیے کہ اقتصادی طور پر بدحال ملک فوجی اعتبار سے کبھی مستحکم نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا اپنی سیاسی چالوں بلکہ سیاسی غنڈہ گردی کے ذریعہ مرعوب کرنا [illegible] فائدہ اُٹھاتے ہوئے ان کے خلاف عسکری قوت

کا وقتی مظاہرہ کرکے دُنیا کو یہ تاثر دینا چاہتا ہے کہ وہ ناقابلِ تسخیر ہے۔

جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اقتصادی اعتبار سے مضبوط ممالک بھی موجودہ دَور کے فوجی اخراجات کے متحمّل نہیں ہو سکتے تو امریکہ جس کا دانہ پانی غنڈہ ٹیکسوں اور سود پر چل رہا ہے اور اس کی اقتصادی ابتر حالت کسی سے ڈھکی چھپی نہیں ہے کسی طور ناقابلِ تسخیر نہیں ہو سکتا۔ صرف دو چار مسلم ممالک بھی ہمّت سے کام لیتے ہُوئے اس عالمی غنڈے کے خلاف مضبوط محاذ قائم کر کے اللہ پر بھروسہ کرتے ہُوئے اس کی صلیبی اور اسلام دُشمن پالیسیوں کے خلاف ڈٹ جائیں تو تھوڑے ہی عرصہ میں دُنیا پر امریکہ بہادر کی حقیقت کھُل جائے گی اور دیکھا دیکھی دُنیا بھر کے چھوٹے چھوٹے ممالک بھی اپنے منصوبہ حقوق وصول کر کے اس کے تن پر کوئی چیتھڑا بھی باقی نہیں چھوڑیں گے اور اس کا ننگ دھڑنگ وجود دُنیا کے لیے عبرت بن کر رہ جائے گا۔ واقعہ یہ ہے کہ امریکہ اس وقت اپنی بقا کی جنگ لڑ رہا ہے اگر فی الواقع وہ دُنیا کی سُپر پاور ہوتا تو آٹھ برس قبل عراق جیسے کمزور ملک پر فوجی کارروائی کے لیے اتنے سارے عیسائی ملکوں کی سیاسی تائید کے حصول اور فوجی قوت کو مجتمع کرنے کی ضرورت نہ نہ پڑتی، البتہ امریکہ پر حملہ کرنے کے لیے اگر کوئی ملک اسی قسم کی منصوبہ بندی کرتا تو بات سمجھ میں بھی آتی کہ ایک سُپر پاور کے خلاف کارروائی کے لیے سب کو اکٹھا کرنا ضروری ہوتا ہے۔ پاکستان کے حق میں امریکی پالیسی میں حالیہ ڈرامائی تبدیلی اس کے گرد منڈلانے والے عالمی خطرات کا نتیجہ ہے۔ بھارت کی آزاد سیاسی پالیسی چین کی مضبوط فوجی قوّت ایران کا امریکی دھونس نظر انداز کرنا اور سب سے بڑھ کر افغانستان میں دن بدن طالبان کے اسلامی اقتدار کا استحکام اور وہاں پر قائم بے مثال امن و امان نے کلنٹن کا چین و سکون برباد کر دیا ہے اور سب سے آخر میں "غوری میزائل" کے کامیاب تجربہ نے ہاتھوں کے طوطے ہی اُڑا دیے اور اس نام نہاد سُپر پاور نے فوری طور پر ہاتھ میں بستہ تھماتے اقوامِ متحدہ میں متعیّن اپنا ایک سفیر مسٹر رچرڈسن . . . پاکستان اور کابل کے دَورے پر روانہ کر دیا جس نے پاکستان آتے ہی عدل و انصاف کا راگ الاپنا شروع کر دیا ہے۔ امریکہ کو پاکستان کی دفاعی ضروریات اور ایف ۱۶ کے مسئلہ سمیت پاکستان کی تمام مشکلات کا راتوں رات احساس پیدا ہو جانا ایک لطیفہ سے کم نہیں ہے۔ اس موقع پر پاکستانی حکمرانوں کو بہت بیداری سے کام لینا چاہیے اور کسی بھی قسم کے امریکی جھانسے میں نہیں آنا چاہیے۔

اپنے میزائل پروگرام کو نہایت تیز رفتاری سے آگے بڑھاتے ہوئے اس کو جدید سے جدید تر بناکر زیادہ سے زیادہ دوری پر مار کرنے کی صلاحیت حاصل کرنا ہی عالمی سطح پر سیاسی اور عسکری قوت کے حصول کا ذریعہ ہے

چودہ سو سال قبل ہمارے سردار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مادی اعتبار سے زیادہ سے زیادہ دوری پر ہدف تک رسائی کو عسکری قوت کا سب سے بڑا ذریعہ قرار دیا تھا اور مسلمانوں کو اس صلاحیت کے حاصل کرنے کی تاکید فرمائی تھی۔ حضرت عُقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو منبر پر یہ ارشاد فرماتے ہوئے سُنا۔

واعدو لھم ما استطعتم من قوۃ الا ان القوۃ الرمی الا ان القوۃ الرمی الا ان القوۃ الرمی (مشکوٰۃ ص۳۳۶ بحوالہ مسلم شریف) یعنی دُشمنوں کے لیے جہاں تک تمہارے بس میں ہے قوّت کے ساتھ تیاری رکھو (پھر تین بار ارشاد فرمایا) جان لو بے شک نشانہ تک رسائی ہی قوت ہے۔ عسکری قوت کے بہت سارے اسباب ہوتے ہیں مگر ان میں سب سے زیادہ مؤثّر ذریعہ دُور سے ہدف کو نشانہ بنانا ہوتا ہے۔ اس لیے آیت کی تفسیر میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے بطور خاص اس کو ذکر فرمایا ہے۔ مُسلمانوں نے نبی علیہ السّلام کے اس ارشاد کو نظر انداز کیا، مگر کفار نے یہ نکتہ سمجھ لیا اور اس سے بھرپور فائدہ اُٹھایا۔ اب جبکہ پاکستانی سائنسدانوں نے اس میں نمایاں کامیابی حاصل کی ہے تو ہمارے سیاستدانوں کو اس موقع پر بہت دُور اندیشی اور جُرأت کا مظاہرہ کرتے ہوئے دُشمن کی چالبازیوں سے اپنے آپ کو بچاتے ہوئے زیادہ سے زیادہ فوجی قوّت حاصل کرنی چاہیے اس موقع پر ایک بات خاص طور پر ذہن میں رکھنی چاہیے کہ فوجی قوت بڑھانے کے ساتھ ساتھ ہمیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلّق واعتماد پیدا کرنا اور اس کو بڑھانا بہت ضروری ہے تاکہ مادی قوّت کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کی جانب سے فتح و نصرت بھی ہمارے شاملِ حال ہوجائے۔ کیونکہ صرف مادی وسائل پر اعتماد کرلینا اور اللہ کی یاد سے غافل ہونے کا انجام سوائے ناکامی کے کچھ نہیں ہوتا۔ قوّت الگ چیز ہے۔ فتح الگ چیز ہے۔

قوّت ظاہری اسباب کو کہتے ہیں۔ جبکہ فتح کا تعلّق خدائی تائید سے ہے جب تک اللہ تعالیٰ کا ارادہ نہ ہو فتح نہیں ہوسکتی چاہے کتنی ہی بڑی مادی قوّت کیوں نہ ہو۔

لٰہذا ضروری ہُوا کہ قُوّت کے ساتھ ساتھ گناہوں کی معافی اور تعلّق مع اللہ میں اضافہ کیا جائے۔ تاکہ ایک بار پھر مُسلمان دُنیا کی سب سے بڑی فاتح قوم کی حیثیّت اختیار کرلے۔

کافر ہے تو شمشیر پہ کرتا ہے بھروسہ
مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

وما علینا الا البلاغ المبین

○

مسجدِ نبوی کے سب سے بڑے امام شیخ علی عبد الرحمٰن الحذیفی کی خطبۂ جمعہ میں عالمِ اسلام سے دردناک فریاد

امریکہ و برطانیہ فوجی قوت کے ذریعہ اسلام، مسلمانوں اور حرمین کے خلاف یہودیوں کے خوفناک منصوبوں کو پایۂ تکمیل تک پہنچانا چاہتے ہیں

ارضِ حرمین سے امریکی افواج کا اخراج تمام عالمِ اسلام پر فرض ہے ۔ امام مسجدِ نبوی

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا سے رُخصت ہوتے ہوئے اُمت کو آخری وصیت یہی فرمائی تھی کہ یہود و نصاریٰ کو جزیرۂ عرب سے نکال دینا

عراق نے اقوامِ متحدہ کی ایک قرارداد نہیں مانی جبکہ اسرائیل اب تک ساٹھ قراردادوں کو ٹھکرا چکا ہے، ہم اپنی حفاظت خود کریں گے [illegible]؟

امریکہ اپنی طاقت پر غرور نہ کرے اصل طاقت اللہ کی ہے، سوویت یونین کا حشر عبرت کے لئے کافی ہے، علماء و اہلِ افتاء اُمت کی راہنمائی کرکے اپنا فرض ادا کریں

"ضربِ مومن" کی یہ خبر پوری اُمّتِ مسلمہ کے لیے لمحہ فکریہ بلکہ دعوتِ عمل ہے۔
وابستگانِ حرم اس صدائے حق پر لبّیک کہتے ہیں۔

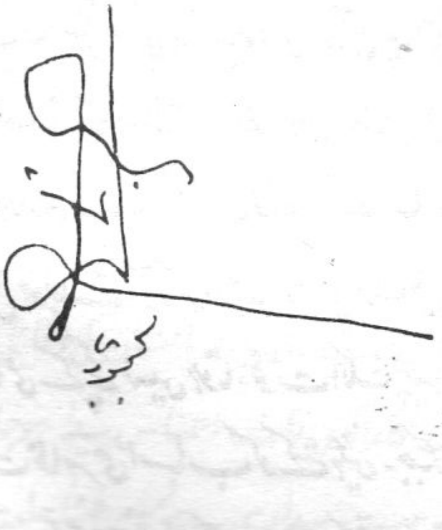

مولای صل وسلم دائماً ابداً
علیٰ حبیبک خیر الخلق کلہم

درسِ حدیث

استاذ العلماء شیخ الحدیث حضرت مولانا سید حامد میاں رحمہ اللہ کے زیرِ اہتمام ہر اتوار کو نمازِ مغرب کے بعد جامعہ مدنیہ میں "مجلسِ ذکر" منعقد ہوتی تھی۔ ذکر سے فارغ ہو کر حضرت رحمہ اللہ حدیث شریف کا درس بھی دیا کرتے تھے۔ ذکر و بیان کی یہ مُبارک اور رُوح پرور محفل کس قدر جاذب و پُرکشش ہوتی تھی الفاظ اس کی تعبیر سے قاصر ہیں۔

محترم الحاج محمود احمد عارف رحؒ کی خواہش و فرمائش پر عزیز بھائی شاہد صاحب سلمہٗ نے حضرت شیخ الحدیث قدس سرہٗ کے بہت سے دروس ٹیپ ریکارڈر کے ذریعہ محفوظ کر لیے تھے اور پھر دروس والی تمام کیسٹیں اُنہوں نے مولانا سید محمود میاں صاحب کو عطا کر دیں۔

ہماری دُعا ہے کہ جن کی مہربانی، توجہ اور سعی سے یہ انمول علمی جواہر ریزے ہمارے ہاتھ لگے، حق تعالیٰ اُن سب کو بیش از بیش اَجر سے نوازے۔ ہم انشاء اللہ تعالیٰ یہ قیمتی لؤلؤ لالہ "انوارِ مدینہ" کے ذریعہ حضرت رحمہ اللہ کے مریدین واحباب تک قسط وار پہنچاتے رہیں گے۔

واضح رہے کہ حضرت کے خلفِ اکبر اور جانشین حضرت مولانا سید رشید میاں صاحب کے زیرِ اہتمام ذکر و درس کا یہ سلسلہ بفضلہ تعالیٰ اَب بھی جاری ہے۔

هنوز آن ابرِ رحمت در فشان است　　　خم و خمخانہ با مہر و نشان است

کیسٹ نمبر ۲۱ سائیڈ بی ۱۹۸۳-۶-۱۷

الحمد للّٰہ رب العٰلمین والصّلوٰۃ والسّلام علیٰ خیر خلقہ سیّدنا ومولانا محمّد وّآلہٖ واصحابہٖ اجمعین

اما بعد! عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِنِ الْخُدْرِیِّ قَالَ جَلَسْتُ فِیْ عِصَابَۃٍ مِنْ ضُعَفَآءِ الْمُھَاجِرِیْنَ وَاِنَّ بَعْضَھُمْ لَیَسْتَتِرُ بِبَعْضٍ مِنَ الْعُرْیِ وَ قَارِیٌٔ یَقْرَأُ عَلَیْنَا اِذْ جَاءَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَامَ عَلَیْنَا فَلَمَّا قَامَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سَکَتَ الْقَارِیُٔ فَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ مَا کُنْتُمْ تَصْنَعُوْنَ قُلْنَا کُنَّا نَسْتَمِعُ اِلٰی کِتَابِ اللّٰہِ فَقَالَ الْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ جَعَلَ مِنْ اُمَّتِیْ مَنْ اُمِرْتُ اَنْ اَصْبِرَ نَفْسِیْ مَعَھُمْ قَالَ فَجَلَسَ وَسْطَنَا لِیَعْدِلَ بِنَفْسِہٖ فِیْنَا ثُمَّ قَالَ بِیَدِہٖ ھٰکَذَا فَتَحَلَّقُوْا وَبَرَزَتْ وُجُوْھُھُمْ لَہٗ فَقَالَ اَبْشِرُوْا یَا مَعْشَرَ صَعَالِیْکِ الْمُھَاجِرِیْنَ بِالنُّوْرِ التَّامِّ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ تَدْخُلُوْنَ الْجَنَّۃَ قَبْلَ اَغْنِیَآءِ النَّاسِ بِنِصْفِ یَوْمٍ وَ ذٰلِکَ خَمْسُ مِائَۃِ سَنَۃٍ وَعَنِ الْبَرَآءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ

تھا۔ مہاجرین کی ایک جماعت میں وہ مہاجرین جو بہت خستہ حال تھے۔ اُن کے بدن پر پورے کپڑے نہیں تھے۔ وہ ایک دوسرے کے پیچھے بیٹھتے تھے تاکہ آڑ رہے، جتنا زیادہ بدن چُھپ سکے وہ بہتر ہے، وَقَارِئٌ یَقْرَأُ عَلَیْنَا انہی میں سے ایک آدمی تھا جو پڑھ رہا تھا۔ تلاوت کر رہا تھا یہ سب سُن رہے تھے، اِذْ جَاءَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اتنے میں اچانک جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم تشریف لے آئے۔ فَقَامَ عَلَیْنَا ہمارے پاس آپ کھڑے ہوگئے۔ فَلَمَّا قَامَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سَکَتَ الْقَارِیْ جب رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم تشریف لائے اور کھڑے ہوگئے تو جو پڑھ رہا تھا وہ چُپ ہوگیا، خاموش ہوگیا۔ (اس نے) اندازہ کیا کہ آپ یہاں آنے والے ہیں کھڑے ہونے والے ہیں۔ آپ نے سلام کیا اور دریافت فرمایا "مَا کُنْتُمْ تَصْنَعُوْنَ" کیا کر رہے تھے؟ ہم نے عرض کیا کہ ہم تو قرآنِ پاک سُن رہے تھے۔ آپ نے ارشاد فرمایا "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ جَعَلَ مِنْ اُمَّتِیْ مَنْ اُمِرْتُ اَنْ اَصْبِرَ نَفْسِیْ مَعَھُمْ" خدا کا شُکر ہے کہ اُس نے میری اُمّت میں ایسے ایسے لوگ پیدا کیے جن کے بارے میں مجھے یہ حکم دیا گیا کہ میں اُن میں رہوں اُن میں گُھل مِل کر رہوں قَالَ فَجَلَسَ وَسْطَنَا رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم ہمارے بیچ میں بیٹھ گئے۔ یہ جو مجمع تھا۔ اس کے درمیان (بیٹھ گئے) لِیَعْدِلَ بِنَفْسِہٖ فِیْنَا اس لیے ایسے کیا آپ نے کہ سب کی برابری ہوجائے، مساوات ہوجائے، ثُمَّ قَالَ بِیَدِہٖ ھٰکَذَا پھر رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اشارہ فرمایا کہ ایسے حلقہ بنالو دائرہ بنالو فَتَحَلَّقُوْا وَبَرَزَتْ وُجُوْھُھُمْ لَہٗ، یہ ایسے گُھٹے ہُوئے بیٹھے تھے کہ اِن کے چہرے سامنے نہیں تھے آگے پیچھے ہوئے ہُوئے بیٹھے تھے۔ جب ایسے حلقہ ہُوا تو سب کے چہرے سامنے ہوگئے تو ایک حالت یہ ہُوئی کہ تلاوتِ قرآنِ پاک کر رہے تھے۔ حالت اِن کی مالی یہ تھی، عمل یہ تھا مالی حالت یہ تھی، رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اس کی پسندیدگی کا اظہار اس طرح سے کیا کہ آپ خود اُن کے بیچ میں بیٹھ گئے اور فرمایا کہ مجھے تم لوگوں کے ساتھ بیٹھنے کا گھلنے ملنے کا حکم دیا گیا ہے، یہ تو (تھی) اُن کے عمل اور حال کے استحسان اور اُس پر بشارت، ایک بشارت رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے گفتگو فرماتے ہُوئے جب بیٹھے تو یہ سُنائی "اَبْشِرُوْا یَا مَعْشَرَ صَعَالِیْکِ الْمُھَاجِرِیْنَ بِالنُّوْرِ التَّامِّ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ" مہاجرین میں جو صُعلوک ہیں۔

اللہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ زَیِّنُوا الْقُرْاٰنَ بِاَصْوَاتِکُمْ۔ ؎

"حضرت ابوسعید خُدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں (ایک دن) غربار مہاجرین (یعنی اصحابِ صُفہ) کی ایک جماعت کے درمیان بیٹھا ہُوا تھا۔ ان میں سے کچھ ننگے بدن ہونے کی وجہ سے اپنے ساتھیوں کی اوٹ میں بیٹھے ہوئے تھے اور ایک شخص ہمارے سامنے قرآن پاک پڑھ رہا تھا کہ اچانک نبیٔ کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم تشریف لائے اور ہمارے پاس کھڑے ہو گئے۔ پڑھنے والے نے جب نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کو کھڑے دیکھا تو وہ چپ ہو گیا اُس وقت آپ نے ہمیں سلام کیا اور فرمایا "تم لوگ کیا کر رہے ہو؟" ہم نے عرض کیا کہ "ہم کتاب اللہ سُن رہے ہیں۔" آپ نے فرمایا "تمام تعریفیں اُس خُدا کے لیے ہیں جس نے میری اُمّت میں وہ لوگ پیدا کیے ہیں کہ جن کے بارے میں مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں ان کے ساتھ بیٹھوں؟" راوی کہتے ہیں کہ (یہ فرماکر) آپ ہمارے درمیان بیٹھ گئے تاکہ آپ کی ذاتِ اقدس کا تعلّق سب کے ساتھ یکساں رہے، پھر آپ نے اپنی اُنگلی سے اس طرح اشارہ کیا (کہ حلقہ بناکر بیٹھ جاؤ) سب لوگ حلقہ بناکر بیٹھ گئے اور اُن سب کے مُنہ آپ کی طرف ہو گئے اس کے بعد آپ نے فرمایا "اے مہاجرین کے مفلس گروہ! تمہیں خوشخبری ہو اس بات کی کہ قیامت کے دن تمہیں بھرپور نور حاصل ہوگا اور تم دولت مند طبقے سے آدھا دن پہلے جنّت میں داخل ہو گے اور یہ آدھا دن پانچ سو برس کے برابر ہوگا۔"

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسولِ کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا۔ "قرآن کو اپنی آواز کے ذریعہ زینت دو۔"

حضرتِ آقائے نامدار صلّی اللہ علیہ وسلّم نے قرآن پاک کی فضیلت، اور اُس کا پڑھنا، پڑھتے رہنے پر تاکید یہ چیزیں بتلائی ہیں۔

ایک واقعہ اِس (سلسلہ) میں آتا ہے ابوسعید خُدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں بیٹھا ہوا

؎ مشکوٰۃ شریف ص۱۹۱

صُعْلُوْكٌ مَنْ لَا مَالَ لَهٗ، جس کے پاس مال نہ ہو فقیر ہو بالکل جس کے پاس کچھ نہ ہو وہ صعلوک ہے، مہاجرین میں جو صعلوک ہیں جن کے پاس کچھ نہیں ہے فقراء ہیں اُن کے لیے ارشاد فرماتے ہیں کہ میں بشارت سُنانی چاہتا ہوں یہ کہ قیامت کے دن اُنہیں کامل نُور میسّر ہوگا، نُورِ تام (میسّر ہوگا)

اور یہ بھی فرمایا کہ جو غریب ہے وہ مالدار لوگوں سے پہلے جنّت میں جائے گا۔ "تَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ قَبْلَ اَغْنِيَاءِ النَّاسِ بِنِصْفِ يَوْمٍ" آدھا دن پہلے تم داخل ہوگے جنّت میں، اور آدھا دن وَذٰلِكَ خَمْسُ مِائَةِ سَنَةٍ اللہ تعالیٰ کے یہاں دن کا پیمانہ جو ہے وہ یہ ہے کہ ایک ہزار سال یہاں کے (دُنیا کے) وہاں کے ایک دن کے برابر ہیں اِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ [1] یہ قرآن پاک میں ہے اور حدیث میں بھی یہی ہے کہ تم آدھا دن پہلے داخل ہوگے۔ وَذٰلِكَ خَمْسُ مِائَةِ سَنَةٍ وہ پانچ سو سال ہوگا، اِتنا طویل عرصہ (پانچ سو سال کا طویل عرصہ) تم پہلے وہاں پہنچ چکے ہوگے۔ بہ نسبت مالدار لوگوں کے، تو جو آدمی غریب ہے آج اور غریب ہی رہا۔ فرض کیجیے۔ کبھی نصیب نہ ہو سکا اُس کو (مال و دولت)، تو پھر اُس کے لیے یہ بشارت ہے اور اگر میسّر آجائے اُسے دُنیا میں تو پھر دُنیا میں مُیسّر آہی گیا، لیکن اگر میسّر نہ آئے تو اُس کو آخرت کی بشارت ضرور ملے گی۔ اُسکے درجہ میں بلندی دُوسری طرح کی ضرور ہے اس کو حاصل جو آخرت کے اعتبار سے ہے وہ اُسے حاصل ہے، حساب کتاب اُس کا بہت تھوڑا ہوگا۔ لین دین تھوڑا ہوگا۔ معاملات تھوڑے ہونگے۔

تو آقائے نامدار صلّی اللہ علیہ وسلّم نے قرآن پاک کے پڑھنے، سُننے اِس مجلس میں بیٹھنے۔ ان تمام چیزوں کو پسند فرمایا ہے حتّٰی کہ آپ خود بھی اس مجلس میں تشریف فرما ہُوئے اور یہ فرمایا کہ تم لوگ ایسے سادہ اور اس قسم کے ہو کہ مجھے تمہارے ساتھ بیٹھنے کا حُکم دیا گیا ہے۔

آقائے نامدار صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ قرآنِ پاک کو اچھی آواز پڑھا کرو۔ زَيِّنُوا الْقُرْاٰنَ بِاَصْوَاتِكُمْ۔

ارشاد فرمایا کہ جو آدمی پڑھ لیتا ہے اور یاد کر لیتا ہے کچھ اور پھر بھول جاتا ہے تو یہ بہت بڑی اُس کی بدقسمتی ہے اور خُدا کے یہاں اس پر عتاب ہے بڑا اِلَّا لَقِيَ اللّٰهَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

---

[1] بلا شبہ ایک دن آپ کے رب کے ہاں کا اُن سالوں میں سے جو تم شمار کرتے ہو ہزار سال کے برابر ہے۔

(بقیہ بر صفحہ ۱۹)

باسمہٖ تعالیٰ

حمدِ باری مری زباں پر ہے

حمدِ باری مری زباں پر ہے
وجد طاری مری زباں پر ہے

دم بدم لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ
ذکر جاری مری زباں پر ہے

ہے تصوّر میں روضۂ اطہر
نعت پیاری مری زباں پر ہے

نعت گوئی مرا شعار ہوئی
کس نے واری مری زباں پر ہے؟

ذکر یاروں کا چار یاروںؓ کا
باری باری مری زباں پر ہے

حرفِ مطلب ادا نہیں ہوتا
عرض بھاری مری زباں پر ہے

صبرِ جانکاہ میرے دل میں ہے
شکرِ باری مری زباں پر ہے

شب کا پچھلا پہر ہے، اور نفیس
آہ و زاری مری زباں پر ہے

نفیس منزل لاہور
صفر المظفر ۱۴۱۸ھ

شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنی قدّس سرہٗ کی ایک تقریر

ذکر اور شکر

ترتیب: مولانا سیّد رشید الدین حمیدی مدظلھم مہتمم مدرسہ شاہی مراد آباد

مرسلہ: جناب الحاج عبد الکریم صاحب صابر، ڈیرہ اسمٰعیل خان،

میرے بھائیو اور بزرگو!

مجھے آپ حضرات کے سامنے چار باتیں عرض کرنی ہیں۔ اُن میں سے ہر ایک بات اس قدر تفصیل رکھتی ہے کہ جس کے بیان کے لیے بہت وقت چاہیے۔ میں اپنی کمزوری کی وجہ سے تفصیل سے عرض نہیں کر سکتا۔ ضعف نہ ہوتا تو میں ہر بات میں کچھ تھوڑا تھوڑا عرض کرتا۔ جیسا کہ سلہٹ میں عرض کرتا تھا۔

پہلی بات! میں آپ حضرات کی توجہ خدا کی طرف دلانا ضروری سمجھتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہمیشہ تمام مخلوقات کی طرف متوجہ رہتی ہیں، مگر خصوصی طور پر انسان کی طرف بڑے پیمانہ پر متوجہ ہیں۔ ہر ایک انسان کو خدا کو یاد کرنا اور اس کا شکریہ ادا کرنا بہت ضروری ہے۔ خدا نے تمام مخلوقات کو جاندار ہوں، بے جان، مادی ہوں غیر مادی، آسمانی ہوں یا ارضی سب کو پیدا کیا اور وجود کی نعمت عطا کی۔ ان سب پہ فضیلت انسان کو دی۔ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْۤ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ۔ انسان کی فضیلت اور بڑائی کو چار قسموں کے بعد ذکر کیا گیا۔ انسان کی پیدائش تمام مخلوقات میں سب سے اچھی پیدائش ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا بڑے درجہ کا انعام ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں فرشتے، جنّات، فلکیات، ارضیات سب ہیں مگر سب سے اچھی مخلوق انسان کو قرار دیا، اور اس کو اپنا خلیفہ بنایا۔ حالانکہ سب سے زیادہ تقویٰ فرشتوں میں تھا اور وہ خواہش بھی رکھتے تھے کہ ان کو اپنا جانشین بنایا جائے، مگر اللہ تعالیٰ نے یہ شرف صرف انسان کو عطا فرمایا اور اعلان فرمایا

کہ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً تو فرشتوں نے عرض کیا کہ مٹی سے بننے والا انسان جس کے اندر خیر اور شر دونوں داخل ہیں۔ اس کو جانشینی کا رتبہ کیوں عطا کیا جاتا ہے اور یہ شبہہ کیا کہ اس کو کیوں خلافت کے عہدے سے سرفراز کیا گیا۔ جو آپس میں شر و فساد مچاتا اور اپنے بھائیوں کو غارت کرتا ہے، حالانکہ ہم اس کے زیادہ مستحق ہیں کہ ہماری اصل نور سے ہے، مگر اُن کے اس شبہہ کا جواب جھڑک کر دیا گیا اور فرمایا گیا۔ اِنِّیْ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ اور حضرت آدم علیہ السّلام کو ساری چیزوں کا علم عطا کیا گیا۔ پھر امتحاناً مقابلہ کرایا گیا اور پاس کیا گیا۔ فرشتے فیل ہوگئے۔ جب حضرت آدم علیہ السّلام کا پاس ہونا اور فرشتوں کا عاجز ہونا ظاہر ہوگیا تو پھر فرشتوں کو حکم دیا گیا کہ وہ حضرت آدم علیہ السّلام کو سجدہ کریں اور جب حضرت آدم علیہ السّلام کی بڑائی اور فوقیت ظاہر ہوگئی تو جس نے آپ کی بڑائی اور فوقیّت کا انکار کیا اس کو وہاں سے نکلوا دیا گیا اور مردُودِ بارگاہ کیا گیا، اور ہم لوگوں کو اسی خلیفہ کی اولاد میں ہونا عطا فرمایا گیا جس کو تمام فرشتوں نے سجدہ کیا تھا۔ یہ کوئی معمولی انعام نہیں۔ اس میں ہم سب شریک ہیں۔ خدا تعالیٰ نے ہم سب کو اس سے نوازا، اگر وہ ہم کو کیڑا مکوڑا بنا دیتا، کتّا، بلّی بنا دیتا۔ گدھا بنا دیتا تو کیا ہمارا اس پہ کچھ زور تھا، مگر اللہ تعالیٰ نے ہم پر اپنا فضل فرمایا اور اشرف المخلوقات بنایا اور جو تمام مخلوقات میں سجدہ کا مستحق تھا اور رب العالمین کی جانشینی کا مرتبہ رکھنے والا ہم کو اس کی اولاد میں بنایا۔ یہ اس کا بہت بڑا انعام ہے اور اس نے ہم کو احسنِ تقویم والا انعام دیا۔ یہ تو عمومی انعام ہے اور خصوصی انعام کو ہم شمار نہیں کر سکتے۔ دیکھئے ماں کے پیٹ میں ہم کو ساری چیزیں عطا کیں، آنکھ دی، ناک دی کان دیے، ہاتھ دیے، پیر دیے، دل و دماغ دیے، سر سے پیر تک ساری چیزیں عطا کیں، اگر وہ چاہتا تو ہم کو اندھا پیدا کرتا، لولا لنگڑا پیدا کرتا، اپاہج بنا دیتا، مگر اللہ تعالیٰ نے ہم کو ان تمام نعمتوں سے نوازا اور صحیح و تندرست پیدا کیا اور ایک ایک عضو میں بے شمار نعمتیں عطا فرمائیں کہ اگر ان کو کوئی گننا چاہے تو گن نہیں سکتا۔ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَۃَ اللّٰہِ لَا تُحْصُوْھَا (الآیۃ) مگر انسان اس قدر نمک حرام ہے کہ اس کی دی ہوئی تمام چیزوں سے کام لیتا ہے مگر کسی وقت بھی جھوٹے مُنہ سے اس کا نام نہیں لیتا۔ اس کا احسان نہیں مانتا۔ اُس کا شکر ادا نہیں کرتا۔ اسی طرح اور بہت سے احسانات ہیں۔ سب سے بڑی چیز ہم کو اسلام و ایمان

کی نعمت عطا فرمائی۔ کروڑوں انسان دُنیا میں ایسے ہیں جو اس نعمت سے محروم ہیں مگر ہم اس کا بالکل خیال نہیں کرتے، پہلی ہر اُمت میں ایمان تھا اور وہ لوگ خواہش بھی کرتے تھے کہ کاش ان کو محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم کی اُمت میں پیدا کیا گیا ہوتا، مگر خدا نے ہم پر یہ فضل کیا کہ اپنے تمام پیغمبروں کے سردار حضرت محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم کی اُمت میں پیدا فرمایا۔ حضرت محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم کے طفیل میں انشاء اللہ دُنیا میں بھی سرخروئی حاصل ہوگی اور آخرت میں بھی، مگر ہم اس کے شکریہ میں بہت کوتاہی کرتے ہیں۔ اس کی نعمتوں کو یاد نہیں کرتے جس قدر ممکن ہو اس کا احسان مانیے اور اس کی نعمتوں کا شکریہ ادا کیجیے۔ وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ (الآیۃ) یہ اعلان کیا گیا کہ اگر ہماری نعمتوں کا شکریہ ادا کروگے تو میں تم پر اپنی نعمتیں زیادہ کرتا رہوں گا۔ بڑی غفلت کی بات ہے کہ ہم اس کو اور اس کے احسانات کو بھولے ہوئے ہیں۔ ہمارا اس کو ہمیشہ یاد کرنا اور احسان ماننا اور اس کا ذکر کرنا بہت اہم فریضہ ہے اسی وجہ سے بعض بزرگوں نے یہ طریقہ مقرر کیا کہ روزانہ کسی وقت، بہتر ہے کہ عشاء کے بعد انسان پہلے اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے تمام انعامات کو یاد کرے کہ اے اللہ تو نے مجھے یہ دیا۔ یہ دیا۔ پھر اپنے تمام گناہوں کو یاد کرے اور اس پر اظہار شرمندگی کرے اور معافی مانگے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کو ایک ایک مجلس میں سو سو مرتبہ استغفار کرتے سُنا۔

تو میرے بھائیو! اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد کرو اور ان کا شکریہ ادا کرو، اس کی اطاعت میں کوتاہی مت کرو۔ استغفار برابر کرتے رہو اور اس سے ڈرتے رہو۔ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے۔

يَاَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ (الآیۃ)

اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو حکم دیا کہ میری نعمتوں کو یاد کرو۔ ہم سب قرآن پڑھتے ہیں، مگر اس کا حق ادا نہیں کرتے یہ ہماری انتہا درجہ کی نالائقی اور غفلت ہے۔ ہم سب کو چاہیے کہ جو کچھ پڑھا اور لکھا ہے اس پر بھی عمل ہو اور ہم میں جتنے لوگ خواہ ان میں کوئی چھوٹا ہو یا بڑا، امیر ہو غریب، بادشاہ ہو یا فقیر، سب اس کا شکر ادا کریں، کیونکہ ہمارے اندر جو کچھ بھی ہے وہ سب خدا کا ہے۔ اپنا کچھ نہیں تو جب سب کچھ اسی کا ہے تو ہمیشہ ہمیشہ اس کا شکر ادا کرتے رہنا چاہیے۔ اللہ

تعالیٰ کے ذکر اور اس کی یاد سے غفلت مت کیجیے۔ آپ جتنا اس کو یاد کریں گے۔ اتنا ہی وہ اپنی نعمتیں زیادہ کرے گا۔ سب سے پہلی بات یہ ھُوئی بہت ہی مختصر طریقہ پر۔ اگر تفصیل کے ساتھ بیان کی جائے تو کئی ہفتے چاہییں۔

دوسری بات ـــ اللہ تعالیٰ کا ذکر تمام عبادتوں کی جان اور مغز ہے۔ یہ بہت ہی عظیم الشان عبادت ہے۔ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اس کو خیر اعمال فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب عملوں میں صاف اور عمدہ عمل اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے۔ سب سے بڑا مرتبہ اللہ تعالیٰ کے ذکر کا ہے۔ خداوند تعالیٰ کی راہ میں سونا اور چاندی خرچ کرنے اور جہاد کرنے سے بھی بڑا مرتبہ اللہ تعالیٰ کے ذکر کا ہے۔ یہ بہت قوی روایت ہے۔ ذکر اللہ سب سے بڑے مرتبہ کو پہنچانے والا ہے۔ نماز کے اندر بڑائی خدا کے ذکر کی وجہ سے آئی ہے۔ قرآن حکیم میں فرمایا گیا ہے۔ اُتْلُ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْکَ مِنَ الْکِتَابِ وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْہٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ وَلَذِکْرُ اللّٰہِ اَکْبَرُ۔ سب سے بڑا اللہ تعالیٰ کے ذکر کو فرمایا گیا ہے۔

تو بھائیو! اللہ تعالیٰ کا ذکر بہت بڑا مرتبہ رکھتا ہے۔ خواہ جسم سے ہو، رُوح سے ہو، قلب سے ہو، سانس سے ہو، خفی ہو، جلی ہو۔ کسی بھی صُورت سے ہو۔ اللہ تعالیٰ کا ذکر بڑائی رکھتا ہے۔

ایک بدوی، حضور اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں حاضر ھُوا اور عرض کیا یا رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم آپ ہمیں سب سے مختصر عبادت بتلائیے، کیونکہ اسلام میں عبادات بہت ہیں تو حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ جس قدر ممکن ہو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے کرتے دُنیا سے رُخصت ہو جاؤ۔ زبان کو اللہ تعالیٰ کے ذکر سے ہمیشہ تازہ رکھو تاکہ مرنے کے وقت زبان اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول رہے۔

تو میرے بھائیو! ذکر کسی بھی طریقہ سے ہو، اللہ تعالیٰ کو پیارا ہے۔

فرماتے ہیں جو تنہائی میں مجھ کو یاد کرتا ہے میں بھی اس کو تنہائی میں یاد کرتا ہوں اور جو مجھ کو مجمع میں یاد کرتا ہے اور جب تک ہونٹ اس کی یاد میں ملتے رہتے ہیں، اللہ تعالیٰ اس کا ہمنشیں رہتا ہے تو بھائی! اللہ تعالیٰ کا ذکر بہت بڑی عبادت ہے۔ جس طرح ہو سکے آواز سے ہو بغیر آواز کے ہو، دن کو ہو، رات کو ہو، سورج کے نکلنے کے وقت ہو، ڈُوبتے وقت ہو۔ جس وقت بھی ہو

اللہ تعالیٰ کو پسند ہے اور اس میں اتنی آسانی کر دی گئی ہے کہ اس کے لیے وضو بھی شرط نہیں۔ وضو ہو تب بھی ذکر کرتے رہو اور اگر غسل کی حاجت ہو تو بھی ذکر کر سکتے ہو، دن میں، رات میں جب بھی آپ کو موقع ملے اور فرصت ہو، کھڑے ہوں، بیٹھے ہوں، سو رہے ہوں، جاگ رہے ہوں، کوئی سا بھی وقت ہو۔ اس کے ذکر سے غافل مت ہو۔ فرمایا گیا۔ اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَامًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰی جُنُوْبِہِمْ (الآیہ) اور فرمایا گیا۔ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْکُرُوا اللّٰہَ ذِکْرًا کَثِیْرًا وَّسَبِّحُوْہُ بُکْرَۃً وَّ اَصِیْلًا۔ ذکر کی کوئی حد نہیں۔ نماز کا وقت مقرر ہے۔ حج عمر میں ایک مرتبہ فرض ہے۔ زکوٰۃ کی بھی حد مقرر ہے، مگر ذکر کی کوئی حد نہیں

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کس کا مرتبہ زیادہ ہے، تو آپ نے فرمایا کہ اَلذّٰاکِرُوْنَ اللّٰہَ کَثِیْرًا وَّ الذّٰاکِرَاتِ۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جو مرد اور عورت کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے رہتے ہیں۔ وہ اُونچے مرتبہ والے ہوں گے اور فرمایا کہ کوئی چیز اتنا عذاب سے نجات دلانے والی نہیں جتنا کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ جہاد عذاب آخرت سے نجات دلانے میں بہتر ہے۔ یا اللہ تعالیٰ کا ذکر، تو آپ نے فرمایا کہ ذکر اللہ جس قدر عذاب سے نجات دلانے کے لیے کافی ہے۔ اتنا جہاد بھی نہیں جو جہاد کرتے کرتے زخموں سے بھر جائے یا لڑتے لڑتے اس کی تلوار ٹوٹ جائے تو بھی اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والا اس سے افضل ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والا مثل زندہ کے ہے اور نہ کرنے والا مثل مردہ کے ہے۔

تو میرے بھائیو! اگر ذکر سے غفلت ہو تو پھر موت ہے۔ اس سلسلہ میں ایک تاریخی واقعہ بھی ہے۔

اُندلس کو جب عیسائیوں نے فتح کیا اور اُس پر اُن کا قبضہ ہُوا تو اُنھوں نے وہاں بہت سی قبریں دیکھیں جن پر کسی کی عمر کے بارے میں لکھا ہُوا تھا۔ چھ مہینہ، کسی کی عمر کے بارے میں لکھا ہوا تھا ایک سال اور کسی کے بارے میں تین مہینہ تو یہ اُن کی سمجھ میں نہ آیا کہ ہیں تو یہ اتنی بڑی بڑی قبریں اور لکھا ہے یہ۔ تو اُنھوں نے اس کے بارے میں وہاں کے لوگوں سے دریافت کیا تو یہ معلوم ہُوا کہ تمام عمر اُنھوں نے لہو ولعب میں گزاری اور اخیر میں تین مہینے اللہ کے ذکر اور اس کی یاد میں گزارے تو ہمارے نزدیک زندہ وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے ذکر کے ساتھ ہو۔ بڑی قبر والا اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل

تھا۔ انجیر میں ایک سال ذکر کیا اس واسطے بتلایا گیا کہ وہ ایک سال زندہ رہا۔

تو میرے بھائیو! مُردہ کو کوئی گھر میں رکھنا گوارا نہیں کرتا اور زندہ خواہ کتنا ہی لاغر اور کمزور کیوں نہ ہو گیا ہو گھر سے نکالا نہیں جاتا۔ زندگی اسی کا نام ہے جس قدر ممکن ہو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو۔ دُنیا کی زندگی بہت تھوڑی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہونا اور اس کو مُنہ دکھانا ہے۔ آپ اس زندگی کو حقیقی زندگی عطا کیجئے۔ یہ بہت بڑی نعمت ہے اور انتہائی ضروری چیز ہے۔

مَیں اس وقت تفصیل سے ذکر نہیں کر سکتا۔ مختصر طریقہ پر توجّہ دلاتا ہوں۔ پہلی چیز جو مَیں نے کہی خُدا کا شکر ادا کیجیے کہ اس نے آپ کو انسان اشرف المخلوقات بنایا۔ دوسری چیز اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے جس طرح سے ہو اس کا ذکر ہمیشہ کیجیے۔ یہ بہت ضروری چیز ہے۔

تیسری بات یہ عرض کرنی ہے کہ ہمارے بہت سے بھائی ہَیں جو اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول ہیں اور اُنھوں نے اللہ کے ذکر میں ترقی کی اور اب اس لائق ہو گئے ہَیں کہ اُن کو اجازت دے دی جائے تاکہ وہ اور بھائیوں کو بھی اللہ تعالیٰ کا نام بتلائیں۔ اسی کو اجازت کہا جاتا ہے۔ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ اور حضرت تھانویؒ جب ذکر میں مداومت اور تغیّر پیدا ہو جاتا تھا تو وہ فوراً اس کو اجازت دے دیتے تھے، مگر مولانا گنگوہیؒ اتنے تک اجازت نہ دیتے تھے۔ یہاں تک کہ ذاتِ مقدّسہ کا مشاہدہ کرنے اور یاد رکھنے کا ملکہ پیدا نہ ہو جائے کہ وہ بغیر ارادہ کے اللہ تعالیٰ کا حضور رکھنے لگے اور اَنْ تَعْبُدَ رَبَّکَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ (الحدیث) کا درجہ حاصل ہو جائے۔ جب تک ایسی صورت نہ ہو اجازت نہ دیتے تھے۔ بہر حال آپ بھائیوں میں سے چند اس کے اہل ہو گئے ہیں کہ اب ان کو اجازت دے دی جائے۔ اگر کسی کو اجازت مل جائے تو وہ یہ نہ سمجھے کہ اُسے اعلیٰ درجہ پر پہنچا دیا گیا ہے اور اس کے یہ معنی نہیں کہ تم سلوک کے اُونچے درجہ میں پہنچ گئے ہو اور اَب تم کو ذکر وغیرہ کسی چیز کی ضرورت نہیں کہ تم کو ایک پختہ سڑک پر پہنچا دیا گیا ہے۔ یہ ایک شاہراہ ہے اس کے اُوپر جب تک چلتے رہو گے۔ اللہ کا تقرب حاصل ہوتا رہے گا۔ یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ اَب ہم کو ذکر کی ضرورت نہیں اور نہ اس پر مغرور ہونا چاہیے اور نہ نااُمید ہونا چاہیے (اس موقع پر حضرت نے فارسی کا یہ مشہور قطعہ بھی ارشاد فرمایا ؎)

ایمن مشوکہ توسن مردان مردرا — در سنگلاخ بادیہ پیہا بریدہ اند
نومید ہم مباش کہ رندان بادہ خوار — ناگہ بہ یک خروش بہ منزل رسیدہ اند

اس کے بعد ارشاد ہُوا، جن بھائیوں نے اس طرح کامیابی حاصل کی ہے ان کو اجازت دی جاتی ہے ان کو ہمیشہ ذکر پر مداومت اور ذاتِ مقدسہ کا مراقبہ کرتے رہنا چاہیے، غافل ہونا درست نہیں۔ ذکر کے بہت سے درجات ہیں اور ذاتِ مقدسہ کے مراقبہ میں بہت سے درجات ہیں اور ذکر کے دوسرے معنیٰ سلوک کے ہیں۔ اس کے دو درجے ہیں۔ وصول اور قبول۔ وصول کے معنیٰ ذات مقدسہ کا مشاہدہ حاصل ہونا اور قبول کے معنیٰ اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبول ہوجانا تو وصول صرف متقین اور مُسلمانوں کے ساتھ مخصوص نہیں۔ کبھی غیر مسلم بھی اس کو حاصل کر لیتے ہیں۔ جیسے کوئی چور کمند لگاکر بادشاہ کے محل میں پہنچ جائے یا کوئی مجرم بادشاہ کے حضور میں لایا جائے۔

ایک مرتبہ ایک جوگی جو کہ پہاڑوں میں رہتا تھا۔ حضرت گنگوہیؒ کی خدمت میں حاضر ہُوا اور عرض کیا کہ مجھے پندرہ پندرہ کوس کی چیزیں نظر آتی ہیں مگر مجھے یہ معلوم ہُوا ہے کہ بغیر مُسلمان ہُوئے کچھ حاصل نہیں ہوسکتا تو میں آپ کے پاس مُسلمان ہونے کے لیے آیا ہوں۔ حضرت نے اس کو مُسلمان کر لیا تو یہ چیز مُسلمان کے ساتھ مخصوص نہیں ہے

فراق و وصل چہ خواہی رضاء دوست طلب
کہ حیف باشد از و غیر ازیں تمنّائے

دوسرا درجہ صرف متقین اور مُسلمانوں کے ساتھ مخصوص ہے۔ اس لیے وصول کے ساتھ ساتھ قبول کے درجہ کو بھی حاصل کرنا چاہیے۔ متقدمین صوفیاء کے یہاں اخلاقی درستگی کو مقدم رکھتے تھے۔ اس لیے بہت دیر لگتی تھی۔ اور بسا اوقات اسی میں عمریں ختم ہو جاتی تھیں۔ وہ حضرات بالکل اخیر میں ذاتِ مقدسہ کا مشاہدہ کراتے تھے اور جب تک ذکر میں اور دوسری چیزوں میں پختگی نہ آ جائے۔ اجازت نہ دیتے تھے اور اب متأخرین صوفیاء نے یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ ذکر کے ساتھ ساتھ وصول کرا دیا جاتا ہے اور یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ بداخلاقیاں دُور کرو اور مغرور نہ بنو وغیرہ وغیرہ۔

وصول کے بعد اس کے حاصل کرنے میں آسانی ہوتی ہے تو میرے بھائیو! رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے جن بُرائیوں کے دُور کرنے کی تلقین فرمائی ہے ان کو دُور کرو اور حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کے نقشِ قدم پر چل کر اس کی سی صورت اختیار کرو۔ معاملات میں، عبادات میں اور ہر چیز میں رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی اطاعت کرو۔ مَیں نے بہت مختصر طریقہ پر عرض کیا ہے۔ آپ حضرات ہمیشہ

سُنّت اور اہلِ سُنّت والجماعت کی اطاعت کریں اور اللہ پاک کی پکڑ سے ہر آن ڈرتے رہیں۔ چلتے پھرتے کھاتے پیتے، سوتے جاگتے ہر وقت اس کا ذکر کرتے رہو اگر ذکر کی عادت ڈالو گے تو سوتے وقت بھی ذکر جاری رہے گا اور مرنے کے وقت آخری سانس تک جاری رہے گا اور مرنے کے بعد جب اُٹھو گے اور قیامت ہوگی تو آقائے نامدار صلّی اللہ علیہ وسلّم شفاعت فرمائیں گے۔

چوتھی بات یہ ہے کہ جو حضرات اجازت کے قابل ہوگئے ہیں ان کی فہرست تیّار کر لی گئی ہے وہ آپ کو سُناتا ہوں (حضرت کے ۱۶۷ خلفاء کی فہرست الجمیعۃ کے شیخ الاسلام نمبر میں شائع ہوتی ہے)

دُعا کرو کہ ہم سب کا خاتمہ ایمان پر ہو اور آقائے نامدار صلّی اللہ علیہ وسلّم کی شفاعت نصیب ہو۔

واٰخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین

بقیہ : درسِ حدیث

اَجْذَمُ وہ ایسے ہوگا جیسے جُذام والا ہوتا ہے۔ جُذام کوڑھ جسے کہتے ہیں جس میں انسان کے اعضاء کٹتے ہیں تو قیامت کے دن وہ اس طرح سے خُدا کے سامنے پیش ہوگا کہ اُس کو یہ عارضہ ہوا ہوا ہوگا۔

یاد کرنا یہ افضل ہے بھُلانا ہرگز نہ چاہیے۔ جتنا کسی نے یاد کیا ہے ایک رکوع یاد کر رکھا ہے ایک سُورت یاد کر رکھی ہے۔ اس کو یاد ہی رکھنا چاہیے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق عطا فرمائے کہ ہم اُس کی عبادت کرتے رہیں، اور وہ اپنی بارگاہ میں قبولیت اور اپنی رضا سے نوازتا رہے۔

آئندہ شمارے میں

۷ ذی الحجہ ۱۸ ۱۴ھ کو جامعہ میں جلسۂ تقسیم انعامات و اسناد میں ہونے والی تقاریر ملاحظہ فرمائیں۔

(ادارہ)

وَتُوبُوٓا إِلَى اللّٰهِ جَمِيعًا أَيُّهَا الْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ

اور مسلمانوں تم سب اللہ کے سامنے توبہ کرو تاکہ تم فلاح پاؤ

توبہ کی ضرورت اور اہمیّت

مولانا محمد عاشق الٰہی بلند شہری دامت برکاتہم

رجوع الی اللہ اور توبہ کی اہمیّت اور فضیلت

وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عنه اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قال: قَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ انا عند ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ وَ اَنَا مَعَهٗ حَيْثُ يَذْكُرُنِیْ وَاللّٰهِ لَلّٰهُ اَفْرَحُ بِتَوْبَةِ عَبْدِهٖ مِنْ اَحَدِكُمْ يَجِدُ ضَالَّتَهٗ بِالْفَلَاةِ وَمَنْ تَقَرَّبَ اِلَیَّ شِبْرًا تَقَرَّبْتُ اِلَيْهِ ذِرَاعًا وَ مَنْ تَقَرَّبَ اِلَیَّ ذِرَاعًا تَقَرَّبْتُ اِلَيْهِ بَاعًا وَ اِذَا اَقْبَلَ اِلَیَّ يَمْشِیْ اَقْبَلْتُ

"حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ جل شانہٗ کا ارشاد ہے کہ مَیں اپنے بندہ کے گمان کے ساتھ ہوں (میرے بارے میں جو گمان کرے مَیں ویسا ہی کر دوں گا) اور مَیں اپنے بندہ کے ساتھ ہوں جہاں بھی وہ مجھے یاد کرتا ہے پھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ اللہ کی قسم اس میں شک نہیں کہ اپنے بندہ کی توبہ سے اللہ تعالیٰ اس سے بھی زیادہ خوش ہوتے ہیں جب تم میں سے کسی کا سامان سواری وغیرہ جنگل بیابان میں گم ہو جائے اور پھر وہ اس کو پالے، (نیز اللہ جل شانہٗ کا ارشاد ہے کہ) جو شخص میری طرف ایک بالشت قریب ہوتا ہے میں اسکی طرف ایک ہاتھ قریب ہو جاتا ہوں اور جو شخص میری

اِلَیْہِ اُھَرْوِلُ
(رواہ مسلم، واللفظ لہٗ والبخاری
بنحوہ کما فی
الترغیب ص۱۰۳ ج۴)

طرف ایک ہاتھ قریب ہوجاتا ہے مَیں اس کی طرف چار ہاتھ قریب ہوجاتا ہوں اور جب وہ میری طرف متوجہ ہوکر پاؤں سے (معمولی چال سے) چلتا ہُوا آتا ہے تو مَیں اس کی طرف دوڑتے ہُوئے متوجّہ ہوجاتا ہوں۔ (بخاری و مسلم)

تشریح اس حدیث میں اہلِ ایمان کے لیے چند بشارتیں ہیں:
ایک تو یہ کہ اللہ جل شانہٗ نے فرمایا کہ مَیں بندہ کے گمان کے ساتھ ہوں۔ للٰذا جب وہ یہ گمان کرے گا اور اُمّید رکھے گا کہ اللہ تعالیٰ مجھے ضرور معاف فرمادیں گے اور دُنیاوی آفتوں اور مصیبتوں سے اور آخرت کے عذابوں سے محفوظ فرمادیں گے تو اللہ تعالیٰ اس کی اُمّید اور گمان کے مطابق ضرور معاملہ فرمائیں گے۔ بندہ کی اُمّید اور گمان کو ضائع نہ فرمائیں گے۔

درحقیقت یہ بہت بڑی بشارت ہے، اُمّید باندھنے اور اچھّا گمان رکھنے میں تو کچھ بھی خرچ نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ بہت بڑے مہربان ہیں۔ اُمّید اور گمان پر کتنی بڑی عنایت اور مہربانی کی خوشخبری دی ہے۔ کوئی ہو تو سہی جو اللہ کی طرف بڑھے۔ البتّہ یہ بات بھی ضروری ہے کہ محض اُمّید سے کام نہ چلائے۔ نیکیاں کرتا رہے اور گناہوں سے بچتا رہے۔ کیونکہ دوسری حدیث میں وارد ہوتا ہے کہ:

اَلْعَاجِزُ مَنْ اَتْبَعَ نَفْسَہٗ ھَوَاھَا وَتَمَنّٰی عَلَی اللّٰہِ۔[1]

"یعنی بے وقوف وہ ہے جو اپنے نفس کو اس کی خواہشوں کے پیچھے لگائے رکھے اور اللہ تعالیٰ سے اُمّیدیں رکھتا ہے۔"

دوسری بشارت جو اس حدیث میں ہے وہ یہ ہے کہ اللہ جلّ شانہٗ نے فرمایا کہ میں بندہ کے ساتھ ہوں جہاں بھی وہ مجھے یاد کرے۔ اللہ کی معیت بہت بڑی دولت ہے اور اس کا کیف وہی بندے محسوس کرتے ہیں جو زبان سے اور دل سے اللہ کی یاد میں مشغول رہتے ہیں۔ اللہ کا ساتھ ہونا کتنی بڑی نعمت ہے۔ ذرا اس کو غور کرو۔ دُنیا میں اگر کسی کے ساتھ پولیس کا کوئی معمولی عہدیدار

---

[1] اخرجہ الترمذی وابن ماجۃ کما فی المشکوٰۃ ص۴۵۱

بھی ہو تو وہ اپنے دل میں کتنی قوّت محسوس کرتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ کسی آدمی کی طرف سے مجھے تکلیف پہنچے گی تو یہ میری مدد کرے گا۔ اللہ کی معیت کا مزہ ان ہی لوگوں سے پُوچھو جن کو ذکر کی حضوری حاصل ہے اور جو اپنے احوال و اشغال میں اللہ پاک کی طرف متوجہ رہتے ہیں۔ جَعَلَنَا اللّٰہُ مِنْهُمْ۔

تیسری بشارت دیتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا کہ جو کوئی اللہ پاک کی طرف تھوڑا سا بھی بڑھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی طرف اس سے کئی گنا زیادہ بڑھ جاتے ہیں۔ یعنی اپنی آغوشِ رحمت میں لے لیتے ہیں۔ سمجھانے کے لیے بالشت اور ہاتھ اور چار ہاتھ کی مثال ذکر فرمائی ہے۔

چوتھی بشارت یوں دی کہ اللہ جل شانہٗ کی طرف کوئی معمولی رفتار سے چلے تو اللہ جلّ شانہٗ اس کی طرف دوڑ کر پہنچ جاتے ہیں۔ یہ بھی بطور مثال ہے۔ اللہ پاک کی مہربانی اور توجّہ اور شانِ کریمی کو ان الفاظ میں بیان فرمایا۔ بلا مثال اس کو یُوں سمجھ لو جیسے کوئی بچّہ ہو اُس نے نیا نیا چلنا شروع کیا ہو اور گرتا پڑتا چلتا ہو اُس کو کوئی اپنی طرف بُلائے اور وہ دو چار قدم چلے تو بلانے والا جلدی سے دوڑ کر اُسے اپنی گود میں لے لیتا ہے اور شاباشی دیتا ہے۔

پس اے مومنو! اللہ کی طرف بڑھو اس کی رحمت سے کبھی نا اُمّید نہ ہو، توبہ کرتے رہو، استغفار میں لگے رہو اور برابر ذکر اللہ میں لگے رہو۔ حدیثِ بالا میں یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اللہ جل شانہٗ کو بندہ کے توبہ کرنے سے اس شخص کی خوشی سے بھی زیادہ خوشی ہوتی ہے جو لق و دق جنگل بیابان میں ہو اس کی سواری اور کھانے پینے کا سب سامان گم ہو جائے اور ہر طرف دیکھ بھال کر نا اُمّید ہو کر یہ سمجھ کر لیٹ جائے کہ اب تو مرنا ہی ہے اور ایسے وقت میں اچانک اس کی سواری سامان کے ساتھ اُس کے پاس پہنچ جائے اُس شخص کو جو خوشی ہو گی وہ بیان سے باہر ہے۔ جب کوئی بندہ توبہ کرتا ہے تو اللہ جل شانہٗ کو اس شخص کی خوشی سے بڑھ کر خوشی ہوتی ہے۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی خاص شانِ کریمی ہے۔

توبہ کی حقیقت اور اس کا طریقہ

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَعْقِلٍ قَالَ دَخَلْتُ اَنَا وَ اَبِیْ عَلٰى ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ

"حضرت عبداللہ بن معقل فرماتے ہیں کہ میں اپنے والد کے ساتھ حضرت عبداللہ بن مسعود رضؓ کی خدمت میں حاضر ہُوا، اُن سے میرے والد صاحب نے

فَقَالَ لَهٗ اَبِیْ سَمِعْتَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ النَّدَمُ تَوْبَۃٌ ۔ قَالَ نَعَمْ ! (رواہ الحاکم وقال صحیح الاسناد کما فی الترغیب ص ۹۸ ج ۴)

دریافت کیا کہ آپ نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کو یہ فرماتے ہُوئے سُنا ہے کہ نادم ہوجانا توبہ ہے؟ اُنھوں نے فرمایا کہ ہاں میں نے یہ بات رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم سے سنی ہے ۔ (مستدرک حاکم)

تشریح گناہ بندوں سے ہوجایا کرتے ہیں اور گناہ ہوجانا مومن سے بعید نہیں ہے، لیکن جب گناہ ہوجائے تو ندامت سے پانی پانی ہوجائے اور سچّے دل سے پشیمان اور شرمندہ ہوکہ ہائے یہ کیا ہُوا؟ یہ اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے اور یہ توبہ کا جزوِ اعظم ہے۔ انسان اپنی حقیر ذات پر نظر کرے اور یہ سوچے کہ اللہ میرا خالق اور مالک ہے؟ اُس نے مجھے وجود بخشا۔ طرح طرح کی نعمتوں سے نوازا۔ اعضاء وجوارح دیے۔ مال عطا فرمایا۔ پھر میں نے اُس کی نعمتوں کو فرمانبرداری کی بجائے گناہوں میں لگادیا۔ یہ کتنی بڑی ناشکری، ناسپاسی اور احسان فراموشی ہے۔

بار بار اللہ کی عظمت وکبریائی کا مراقبہ کرے اور اپنی ذات کو بھی سوچے کہ مَیں کیا ہوں اور کس چیز سے پیدا ہُوا ہوں۔ اپنے خالق ومالک کی سرکشی اور نافرمانی مجھے کسی طرح زیبا نہیں۔ ہائے مجھ حقیر و ذلیل سے اللہ کی نافرمانی ہوگئی۔ میں گناہ میں ملّوث ہوگیا۔ بار بار سوچے اور دل میں شرمندہ اور پشیمان ہو۔

ندامت اور پشیمانی توبہ کا جزوِ اعظم اس لیے ہے کہ جب سچی ندامت ہوگی تو اس کے اثرات بھی ظاہر ہوں گے اور توبہ کے باقی جو دو جزو ہیں ان پر بھی بآسانی عمل ہوسکے گا۔ ندامت کے ساتھ نہایت پختہ ارادہ کے ساتھ یہ طے کرلے کہ آئندہ گناہ نہ کروں گا اور جو کچھ ہوچکا ہے۔ یعنی حقوق اللہ اور حقوق العباد ضائع کیے ہیں اُن کی تلافی کردے اور زیادہ حق تلفی ہُوئی ہو تو بقدرِ امکان تلافی شروع کردے اور ادائیگی ہونے تک تلافی میں لگا رہے تو یہ حقیقی توبہ ہے۔ صرف زبان سے توبہ توبہ کرنے سے توبہ نہیں ہوجاتی خوب سمجھ لیں۔

نماز پڑھ کر دعا مانگنے سے اللہ تعالیٰ بخش دے گا

وَعَنْ عَلِیٍّ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ

"حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ مجھ

قَالَ حَدَّثَنِیْ اَبُوْ بَکْرٍ وَّ صَدَقَ اَبُوْ بَکْرٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَا مِنْ رَّجُلٍ یُّذْنِبُ ذَنْبًا ثُمَّ یَقُوْمُ فَیَتَطَھَّرُ ثُمَّ یُصَلِّیْ ثُمَّ یَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ اِلَّا غَفَرَ اللّٰہُ لَہٗ، ثُمَّ قَرَأَ وَالَّذِیْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَۃً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَھُمْ ذَکَرُوا اللّٰہَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِھِمْ۔ الآیۃ رواہ الترمذی وابن ماجہ الا ابن ماجہ لم یذکر الآیۃ کمافی المشکوٰۃ ص۱۱۷

سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا اور سچ بیان کیا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو کوئی شخص کوئی گناہ کر بیٹھے پھر خوب اچھی طرح پاکی حاصل کرے ۔ (یعنی صحیح طریقے پر وضو کرے اور غسل فرض ہو تو غسل بھی کر لے) پھر نماز پڑھے، پھر اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرے تو اللہ تعالیٰ ضرور اس کو بخش دے گا ۔ اس کے بعد آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ وَالَّذِیْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَۃً الآیۃ ۔ (ترمذی وابن ماجہ)

تشریح

توبہ کے اصلی جزو تو وہی تین ہیں جو گزشتہ حدیث کے ذیل میں گزر چکے ہیں ۔ یعنی :

(۱) جو گناہ ہو چکے اُن پر سچے دل سے شرمندگی اور ندامت

(۲) آئندہ کو گناہ نہ کرنے کا پختہ عہد

(۳) جو حقوق اللہ وحقوق العباد تلف کیے ہیں ان کی تلافی کرنا۔

اس طرح توبہ کر لی جائے تو ضرور قبول ہوتی ہے، لیکن اگر ان اُمور کے ساتھ بعض اور چیزیں بھی ملا لی جائیں تو توبہ اور زیادہ اقرب الی القبول ہوجاتی ہے۔ مثلاً نیکیوں کی کثرت کرنے لگے یا کسی بڑی نیکی کا اہتمام زیادہ کرے۔

حدیث شریف میں ہے کہ ایک شخص حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یارسول اللہ! میں نے بہت بڑا گناہ کر لیا۔ کیا میری توبہ قبول ہو گی؟ آپ نے فرمایا کیا تیری والدہ موجود ہے؟

عرض کیا۔ نہیں! فرمایا تیری کوئی خالہ ہے؟ عرض کیا ہاں خالہ ہے! فرمایا بس تُو اس کے ساتھ

حسن سلوک کر۔ (ترمذی)

اس سے معلوم ہُوا کہ والدہ اور خالہ کے ساتھ حسن سلوک کرنے کو توبہ قبول کرانے میں بہت دخل ہے

نماز پڑھ کر توبہ کرنے کی جو تعلیم فرمائی وہ بھی اسی لیے ہے کہ نماز بہت بڑی چیز ہے۔ دو، چار رکعت پڑھ کر توبہ کی جائے گی تو زیادہ لائق قبول ہو گی۔ اگرچہ توبہ کے لفظوں کے بغیر بھی توبہ قبول ہو سکتی ہے۔

حدیث بالا میں جو آیت کا کچھ حصّہ ذکر کیا ہے وہ سورۃ آل عمران کی آیت ہے پُوری آیت اس طرح سے ہے۔

وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ قف وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ (ع۱۴)	"اور ایسے لوگ کہ جب کوئی ایسا کام کر گزرتے ہیں جس میں زیادتی ہو یا اپنی ذات پر نقصان اُٹھاتے ہیں تو اللہ کو یاد کر لیتے ہیں پھر اپنے گناہوں کی معافی چاہنے لگتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے سوا اور ہے کون جو گناہوں کو بخشتا ہو اور وہ لوگ اپنے فعل پہ اصرار نہیں کرتے اور وہ جانتے ہیں۔"

اس کے بعد ان حضرات کا اجر و ثواب بیان فرماتے ہُوئے ارشاد فرمایا۔

اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَجَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ہ۔	"ان لوگوں کی جزاء بخشش ہے ان کے رَبّ کی طرف سے اور ایسے باغ ہیں کہ اُن کے نیچے سے نہریں جاری ہوں گی ان میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہنے والے ہوں گے، اور اچھا بدلہ ہے ان کام کرنے والوں کا۔"

اس آیت کریمہ میں جو یہ ارشاد فرمایا کہ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ (اور کون ہے

اللہ تعالیٰ کے سوا جو گناہوں کو بخشتا ہو) اس میں نصاریٰ کی واضح تردید ہے جو یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ پادری کے معاف کر دینے سے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

آیت بالا میں یہ بھی فرمایا کہ وَلَمْ یُصِرُّوْا عَلٰی مَا فَعَلُوْا وَ ھُمْ یَعْلَمُوْنَ (اور وہ لوگ اپنے فعل پر اصرار نہیں کرتے اور وہ جانتے ہیں) اس میں اس پر تنبیہ فرمائی ہے کہ گناہ پر اصرار کرنا یعنی بار بار گناہ کرنا سخت مؤاخذہ کی بات ہے۔ استغفار اور توبہ کرنا لیکن گناہ کو نہ چھوڑنا اس بات کی دلیل ہے کہ توبہ سچی نہیں ہے۔ سچّی توبہ میں یہ شامل ہے کہ پختہ ارادہ ہو کہ اب گناہ کبھی ہرگز نہ کروں گا۔ توبہ کرنے کے بعد پوری ہمّت کے ساتھ گناہوں سے پرہیز کرے۔

اور یہ بھی جان لینا چاہیے کہ جس طرح توبہ کے بھروسہ پر گناہ کرنا حرام ہے اسی طرح یہ سمجھ کر توبہ میں دیر لگانا کہ چونکہ مجھ سے پکّی توبہ نہیں ہوتی اس لیے ابھی گناہ کرتا رہوں پھر بڑھاپے میں توبہ کرلوں گا یہ اپنے نفس پر بہت بڑا ظلم ہے۔ نفس اپنے مزہ کے لیے اور شیطان اپنی دُشمنی کی وجہ سے توبہ کرنے سے روکتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آئندہ توبہ کرلینا۔ ان دونوں دُشمنوں کی بات کبھی نہ مانے اور آئندہ کا کیا پتہ ہے کہ کتنی زندگی ہے موت کب آجائے۔ بے توبہ مر گیا تو عذاب میں مُبتلا ہونا پڑے گا۔ یہاں کے معمولی مزہ کو نہ دیکھے، نفس کو آخرت کے عذاب کا مراقبہ کرائے اور وہاں کی آگ اور دوسرے عذابوں کا یقین دلائے اور جلد سے جلد توبہ کرے۔

توبہ تو پختہ ہی ہو، ہاں بالفرض اگر پھر گناہ ہو جائے تو پھر توبہ کرلے اور اس مرتبہ بھی پکی ہی توبہ ہو۔ اگر چند بار ایسا ہُوا تو انشاء اللہ تعالیٰ گناہ بالکل ہی چھُوٹ جائیں گے۔

گناہ پر ندامت اور سچّے دل سے پشیمانی اور آئندہ کو گناہ نہ کرنے کا پُختہ عزم اور ارادہ یہی توبہ ہے اور اس کے لوازم میں سے یہ بھی ہے کہ حقوق اللہ اور حقوق العباد کی تلافی کرے۔

حقوق اللہ اور حقوق العباد کی تلافی

جو چیزیں حقوق اللہ یا حقوق العباد میں سے اپنے ذمّہ لازم ہوں اُن کی تلافی کرنا بھی توبہ کا ایک اہم جزو ہے۔ بہت سے لوگ توبہ کرلیتے ہیں، لیکن اس جزو کی طرف متوجہ نہیں ہوتے حالانکہ اُس کے بغیر توبہ، حقیقی توبہ نہیں ہوتی۔ حقوق ادا نہ کرنا اور توبہ زبانی کر کے مطمئن ہو جانا اپنے نفس پر ظلم

ہے اور آخرت کے عذاب سے نڈر ہونا ہے۔ حقوق کی تلافی کی تفصیل اور طریق کار ہم ذیل میں لکھتے ہیں۔

حقوق اللہ کی ادائیگی

حقوق اللہ کی ادائیگی کا مطلب یہ ہے کہ بالغ ہونے کے بعد سے جن فرائض کو ترک کیا ہو اور جن واجبات کو چھوڑا ہو ان کی ادائیگی کی جائے۔ نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج وغیرہ سب کی تلافی کرنا لازم ہے

قضا نمازیں

زندگی میں جو نمازیں قصدًا یا سہوًا چھوٹ گئی ہوں یا مرض اور سفر وغیرہ میں رہ گئی ہوں (حالانکہ نماز کسی بھی حال میں چھوڑنا سخت گناہ ہے) ان سب کو اہتمام سے ادا کرنا لازم ہے اور اُن کی ادائیگی کا طریقہ یہ ہے کہ یُوں حساب لگائے کہ جب سے میں بالغ ہُوا ہوں میری کتنی نمازیں چھُوٹی ہوں گی؟ ان نمازوں کا اس قدر اندازہ لگائے کہ دل گواہی دے دے کہ اس سے زیادہ نہیں ہوں گی۔ پھر ان سب نمازوں کی قضا پڑھے۔ عوام میں یہ جو مشہور ہے کہ جمعۃ الوداع یا کسی اور دن یا رات میں قضا عمری کے نام سے دو رکعت پڑھنے سے سب چھوٹی ہُوئی نمازیں ادا ہو جاتی ہیں بالکل غلط ہے۔

قضاء نماز کے لیے کوئی وقت مقرّر نہیں ہے۔ بس یہ دیکھ لے کہ سورج نکلتا چھُپتا نہ ہو، اور زوال کا وقت نہ ہو۔ سُورج نکل کر جب ایک نیزہ بلند ہو جائے تو قضاء نمازیں اور نوافل سب پڑھنا جائز ہو جاتا ہے اور نمازِ فجر کے بعد اور نمازِ عصر کے بعد بھی قضا پڑھنا دُرست ہے۔ البتّہ جب سورج غُروب ہونے سے پہلے آفتاب میں زردی آجائے اُس وقت قضا نہ پڑھے۔

ہر ایک دن کی پانچ فرض نمازیں اور تین رکعت نماز وتر یعنی کل بیس رکعت بطور قضا پڑھ لے اور یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ لمبے سفر میں (جو کم از کم اڑتالیس میل کا ہو) جو چار رکعت والی نمازیں قضا ہوئی ہوں اُن کی قضا دو ہی رکعت ہے۔ جیسا کہ سفر میں دو ہی رکعت واجب تھیں اگرچہ گھر میں ادا کر رہا ہو۔

اور یہ بھی سمجھ لیں کہ ضروری نہیں کہ جو نمازیں قضا ہوئی ہوں۔ تعداد میں سب برابر ہوں۔ کیونکہ بعض لوگ نمازیں پڑھتے بھی رہتے ہیں چھوڑتے بھی رہتے ہیں۔ بہت سے لوگ سفر میں نماز نہیں

پڑھتے عام حالات میں پڑھ لیتے ہیں اور بہت سے لوگ مرض میں نماز چھوڑ بیٹھتے ہیں۔ کچھ لوگوں کی فجر کی نماز زیادہ قضا ہو جاتی ہے۔ کچھ لوگ عصر کی نمازیں زیادہ قضا کر دیتے ہیں۔ پس جو نماز جس قدر قضا ہوئی ہو اس کا زیادہ سے زیادہ اندازہ لگا کر وہ نماز پڑھ لی جائے۔

عوام میں جو یہ مشہور ہے کہ ظہر کی قضا نماز ظہر ہی میں پڑھی جائے اور عصر کی نماز عصر ہی میں پڑھی جائے یہ درست نہیں ہے ——— جس وقت کی جس وقت چاہیں ادا کر سکتے ہیں اور ایک دن میں کئی کئی دن کی نمازیں بھی ادا ہو سکتی ہیں۔ اگر قضاء نمازیں پانچ سے زیادہ ہو جائیں تو ترتیب واجب نہیں رہتی جونسی نماز پہلے پڑھ لی جائے درست ہو جائے گی۔ مثلاً اگر عصر کی نماز پہلے پڑھ لی اور ظہر کی بعد میں پڑھی تو اس طرح بھی ادائیگی ہو جائے گی۔

بہت سے لوگ نفلوں کا اہتمام کرتے ہیں اور برس ہا برس کی قضاء نمازیں اُن کے ذمّہ ہیں اُن کو ادا نہیں کرتے۔ یہ بہت بڑی بھول ہے۔ نفلوں اور غیر مؤکدہ سُنّتوں کی جگہ بھی قضا نمازیں ہی پڑھ لیا کریں اور اُن کے علاوہ بھی قضا نمازوں کے لیے وقت نکالیں۔ اگر پوری قضا نمازوں کے ادا کیے بغیر موت آگئی تو مؤاخذہ کا سخت خطرہ ہے۔

جب نمازوں کی تعداد کا بہت احتیاط کے ساتھ اندازہ لگالیا تو چونکہ ہر نماز کثیر تعداد میں ہے اور دن تاریخ یاد نہیں اس لیے حضرات فقہائے کرام نے آسانی کے لیے یہ طریقہ بتایا ہے کہ جب بھی کوئی نماز پڑھنے لگے تو یوں نیت کر لیا کرے کہ میرے ذمّہ (مثلاً) ظہر کی جو سب سے پہلی فرض نماز ہے اس کو اللہ کے لیے ادا کرتا ہوں۔ جب بھی نماز ظہر ادا کرنے لگے اسی طرح نیت کر لیا کرے اور دیگر نمازوں میں بھی اسی طرح نیّت کرے ایسا کرنے سے ترتیب قائم رہے گی۔ کیونکہ اگر کسی کے ذمّہ ظہر کی ایک ہزار نمازیں قضا تھیں تو ہزارویں نماز (ابتدا کی جانب) سب سے پہلی نماز تھی اور اس کو پڑھنے کے بعد اُس کے بعد والی سب سے پہلی ہو گی اور جب تیسری بھی پڑھ لی جائے گی تو اُس کے بعد والی سب سے پہلی ہو گی اُس کو خوب سمجھ لو۔

زکوٰۃ کی ادائیگی

اسی طرح زکوٰۃ کے بارے میں خُوب غور کرے کہ مجھ پر کتنی زکوٰۃ فرض ہے یا نہیں ؟ اور اگر فرض

ہوئی ہے تو ہر سال پوری ادا ہوئی ہے یا نہیں ؟ جتنے سال کی زکوٰۃ بالکل ہی نہ دی ہو یا کچھ دی ہو اور کچھ نہ دی ہو اُن سب کا اس طرح اندازہ لگائے کہ دل گواہی دے دے کہ اس سے زیادہ مالِ زکوٰۃ کی ادائیگی مجھ پر واجب نہیں ہے۔ پھر اسی قدر مالِ زکوٰۃ مستحقینِ زکوٰۃ کو دے دے خواہ ایک ہی دن میں دے دے خواہ تھوڑا تھوڑا کر کے دے دے۔ اگر مقدور ہو تو جلد سے جلد سب کی ادائیگی کر دے ورنہ جس قدر ممکن ہو ادا کرتا رہے اور پختہ نیّت رکھے کہ پوری ادائیگی زندگی میں ضرور کر دوں گا اور جب بھی مال میسّر آجائے ادائیگی میں کوتاہی نہ کرے اور دیر نہ لگائے۔

صدقۂ فطر بھی واجب ہے اور جو کوئی نذر مان لے تو وہ بھی واجب ہو جاتی ہے ان میں سے جس کی بھی ادائیگی نہ کی اُس کی ادائیگی کرے۔

واضح رہے کہ گناہ کی نذر ماننا گناہ ہے اور اس کا پُورا کرنا بھی گناہ ہے۔ اگر ایسا کوئی واقعہ ہو تو عُلماء سے اُس کا حکم معلوم کرلیں۔

روزوں کی قضا

اسی طرح روزوں کا حساب کرے کہ بالغ ہونے کے بعد سے فرض روزے جو چھوڑے ہیں یا سفر یا مرض کی وجہ سے چھُوٹے ہیں ان سب روزوں کا حساب کر کے سب کی قضاء رکھے (قضاء رکھنے کے مسائل عُلماء سے معلوم کرلیں) عورتوں کے ساتھ ہر مہینے والی مجبوری لگی ہُوئی ہے۔ اس مجبوری کے زمانہ کو عام طور سے ماہواری کے دن کہتے ہیں۔ ان دنوں میں شرعًا نماز پڑھنا روزہ رکھنا جائز نہیں ہے۔ شریعت نے ان دنوں کی نمازیں بالکل ہی معاف کر دی ہیں، لیکن ان دنوں میں فرض روزے جو چھوڑ دیتے جاتے ہیں بعد میں اُن کی قضا رکھنا فرض ہے، لیکن بہت سی عورتیں اس میں کمزوری دکھاتی ہیں اور بعد میں مذکورہ روزوں کی قضاء نہیں رکھتیں جس کی وجہ سے بہت سی عورتوں پر کئی کئی سال کے روزوں کی قضا لازم ہو جاتی ہے۔ خُوب صحیح اندازہ کر کے جس سے یقین ہو جائے کہ زیادہ سے زیادہ اتنے روزے ہوں گے ان سب کی قضاء رکھ لیں۔ بالغ ہونے کے بعد سے اب تک جتنے بھی روزے فرض خواہ کسی بھی وجہ سے رہ گئے ہوں سب کی قضاء رکھے۔ مرد ہو یا عورت سب کو ان کی ادائیگی لازم ہے۔

(بقیہ بر صفحہ ۵۲)

یادِ رفتگاں

شیخ القرّاء قاری عبدالوہاب المکی رحمہ اللہ تعالیٰ

قاری عبدالقیوم صاحب

مَیں عمرِ عزیز کے اس مرحلے میں ہوں جہاں قوّتِ عملیہ کمزور اور قوّتِ متخیلہ پُرزور ہو جاتی ہے اس مرحلے میں احباب اور بزرگوں میں سے کوئی داغِ مفارقت دے جائے تو تحت شعور کی بھول بھلیاں یُوں تازہ ہوتی ہیں اور ذہن و وجدان کے فاصلے یُوں کم ہوتے ہیں کہ برسوں کی بات بھی کل کی بات لگتی ہے۔ اُستاذ محترم شیخ القراء حضرت قاری عبدالوہاب المکی کی وفات حسرت آیات سے بھی کچھ ایسی ہی کیفیّت پیدا ہو گئی ہے۔

نہ وہ دلفریب صبحیں نہ وہ دلنواز شامیں
ہمیں کچھ بدل گئے ہیں کہ بدل گیا زمانہ

کچھ تو اس تاثراتی کیفیّت کے زیرِ اثر اور کچھ احباب اور عزیزوں کے پُرزور اصرار کے سبب یہ مضمون لکھ رہا ہوں، چونکہ اکثر حضرات حضرت شیخ کے ذاتی حالات سے بہت کم آشنا ہیں۔ اس لیے اس مضمون میں حضرت شیخ کی زندگی کے حالات اور ساتھ ہی ساتھ جزوی طور پر کچھ تاثرات بھی آئیں گے۔ فی الوقت اس نیم معلوماتی اور نیم تاثراتی مضمون پر ہی کفایت کیجیے۔

پیدائش

مکّہ سے شمال کی طرف کچھ فاصلے پر ایک گاؤں تھا جس کا نام عُشیرہ تھا۔ وہاں بنو عوف کے قبیلہ کے چند گھر تھے۔ یہیں شیخ عبداللطیف بدوی عوفی بھی رہتے تھے۔ حضرت شیخ اُن کے ہاں ۲۷ دسمبر ۱۹۱۲ء کو پیدا ہوئے۔ شیخ عبداللطیف کے آٹھ بیٹے اور ایک بیٹی تھیں۔ تیسرے نمبر پر پیدا ہونے والے بچّے نے شیخ القراء عبدالوہاب المکّی کے نام سے شہرت پائی۔

تعلیم

حضرت شیخ ۵، ۶ برس کے ہوئے تو والد بزرگوار نے حفظِ قرآن کے لیے مدرسۃ الفلاح مکہ مکرمہ میں داخل کرا دیا۔ تکمیلِ حفظ کے بعد درجہ کتب میں داخل ہوئے۔ شیخ احمد عبدالرزاق حجازی، الشیخ عبدالمحسن، الشیخ عبدالقاہر السمع اور الشیخ حسن علوی اساتذہ میں شامل تھے۔ تکمیلِ کُتب کے بعد تجوید و قرأت کے لیے مدرسہ صولتیہ میں داخل ہوئے۔ شیخ القراء محمدؒ سعداللہ مکیؒ سے روایتِ حفص اور قراءات سبع و عشرہ کی تکمیل کی۔

ہندوستان آمد

بمبئی میں کافی عرب تاجر آباد تھے۔ آپ بھی تجارت کے سلسلے میں ۱۹۳۹ء کے لگ بھگ ہندوستان میں تشریف لائے۔ بھنڈی بازار قادر بلڈنگ میں مکان کرایہ پر لے کر قیام پذیر ہوئے۔ معتبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ آپ ٹرکوں کے ذریعے تجارتی مال ایک شہر سے دوسرے شہر لے جاتے تھے۔ اس دوران آپ بمبئی سے مکہؒ معظمہ بھی آتے جاتے رہے۔

پاکستان آمد

۱۹۴۷ء میں تقسیم ہند کے بعد آپ کراچی منتقل ہوگئے۔ یہاں عثمان آباد میں کرائے کا مکان لے کر رہائش پذیر ہوئے۔ معاش کے لیے آپ نے ٹھیلہ خریدا اور اس پر فروٹ بیچنا شروع کر دیے۔ اللہ نے ایسی برکت ڈالی کہ آپ کے پاس پندرہ ٹھیلے ہوگئے اور آپ نے پندرہ مزدور دہاڑی پر رکھ کر کاروبار کو اور وسعت دی۔

مظہر العلوم کھڈہ میں

اسی اثناء میں کراچی کی سب سے قدیم درس گاہ مظہر العلوم کھڈہ کے مہتمم حضرت مولانا محمد صادق نے آپ کو اپنے مدرسہ کے شعبہ تجوید کا مدرس مقرر کر دیا آپ یہاں تقریباً ۲ سال

تک تجوید پڑھاتے رہے۔ جہاں آپ سے استفادہ کرنے والوں میں جانشینِ شیخ التفسیر حضرت مولانا عبیداللہ انور، مولانا محمدؒ اسماعیل اور صاحبزادۂ مولانا محمد صادق بھی شامل تھے۔

حضرت شیخ نے سیلانی طبیعت پائی تھی۔ مزاج کی یہ کیفیت ہوگئی تھی کہ

اِدھر نکلے اُدھر ڈوبے ، اُدھر ڈوبے اِدھر نکلے

مزاج کی اس وارفتگی اور طبع آزاد منش نے یہاں بھی چین نہ لینے دیا چنانچہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر پھر سے کاروبار شروع کر دیا۔ بوری بازار میں فٹ پاتھ پر بنیان، جرابیں اور کھلونے بیچنے شروع کر دیے۔ اللہ نے کاروبار میں برکت ڈالی تو کھوکھا کرائے پر لے لیا۔ یہاں کاروبار خُوب چمکا، لیکن ابھی عشق کے امتحان اور بھی تھے۔ بوری بازار میں آگ لگ گئی۔ سرمایہ جل کر خاک ہوا۔ ایسے موقعوں پر دل کی جوکیفیّت ہوتی ہے سو ہوئی۔ شکستگیٔ دل میں جو رہی سہی کسر رہ گئی تھی۔ وہ پاسپورٹ اور اسناد کے چوری ہونے سے پوری ہوگئی۔ برِعظیم پاک و ہند کے مشہور قاری امام القرا۔ حضرت قاری عبدالمالکؒ اسی زمانہ میں دارالعلوم ٹنڈو اللہ یار میں شعبۂ تجوید و قرائت کے صدر مدرس مقرّر ہوئے تھے۔ آپ نے دوسری سند امام القرا سے لی اور امام القرا۔ کے فیضان نظر سے وہ اعتبار پایا جس نے بڑے بڑوں کی گردنیں جھکوا دیں۔

تم سے نسبت ہے اعتبار اپنا
ہم تمہارے ہیں ورنہ پھر ہم کیا

یہیں پھر سے دَورۂ حدیث کیا۔ آپ کے اساتذہ میں مولانا عبدالرحمٰن کامل پوری، مولانا بدر عالم میرٹھیؒ، مفتی اشفاق الرحمن اور مولانا محمد مالک کاندھلوی وغیرہ تھے۔ حضرت مولانا احتشام الحق تھانویؒ کی سفارش پر حکومت پاکستان نے شہری حقوق دیے۔ اُس زمانے میں مولانا احتشام الحق تھانویؒ مدرسہ اشرف المدارس جیکب لائن میں خطبہ دیا کرتے تھے۔ مولانا نے یہاں آپ کو شعبہ حفظ میں بطور مدرس مقرر کر دیا۔ جن طلبا۔ نے آپ سے حفظ کیا۔ ان میں جناب قاری عزیز اللہ میرٹھی اور جناب حافظ قاری محمدؒ حنیف مظفر نگری ہیں۔ پھر آپ شعبہ تجوید کے صدر مدرس مقرّر ہوئے۔

مدرسہ اشرف المدارس میں جن قرا۔ نے آپ سے کسبِ فیض حاصل کیا اُن میں مندرجہ

بالا دو قراء کے علاوہ مولانا احترام الحق تھانوی، محترم حافظ قاری اعتصام الحق تھانوی، قاری محمد اسماعیل میرٹھی اور قاری خلیل احمد دہلوی وغیرہ شامل ہیں۔

اشرف المدارس (جیکب لائن)، کراچی سے ترکِ تعلّق اور اسکا سبب

اشرف المدارس کے قیام کے دوران اس وقت کے وزیرِ اعظم خان لیاقت علی خان نے کسی جلسہ سے خطاب کرنا تھا۔ مولانا احتشام الحق تھانویؒ نے حضرت شیخ سے فرمائش کی کہ وزیرِاعظم کے جلسے میں آپ کی تلاوت کا پروگرام بھی شامل ہے۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہ پہلی بات یہ کہ آپ نے میری اجازت کے بغیر میرا نام شامل کر دیا۔ دوسری بات یہ کہ وزیرِ اعظم تجوید سے ناواقف ہیں لہٰذا معذرت چاہتا ہوں اس انکار پر مولانا احتشام الحق تھانویؒ کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔ حضرت شیخ کی ایک تو مزاجی کیفیّت دوسرے قرآن سے نسبت نے نزاکت کوٹ کوٹ بھر دی تھی چنانچہ جھٹ سے استعفیٰ پیش کر دیا۔

تیرے حسنِ مغرور سے نسبتیں ہیں
کہیں ہم نہ رہ جائیں مغرور ہوکر

صدر بازار کے فٹ پاتھ پر پھر سے بنیان، جرابیں اور کھلونے بیچنا شروع کر دیے، اس اثناء میں مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے آپ کو دارالعلوم نانک واڑہ میں تدریس کی پیش کش کی۔ کچھ عرصہ دارالعلوم میں پڑھاتے رہے۔ یہاں آپ سے استفادہ کرنے والوں میں حضرت مولانا تقی عثمانی اور حضرت مولانا رفیع عثمانی بھی شامل ہیں۔ اس اثناء میں دارالعلوم نانک واڑہ سے کورنگی منتقل ہوگیا۔ چونکہ کورنگی اس زمانے میں غیر آباد علاقہ تھا اس لیے حضرت قاری صاحب نے وہاں جانا قبول نہ کیا اور استعفیٰ پیش کر دیا۔ پھر سال بھر کے لیے بنگال چلے گئے، وہاں جا کر بیمار ہوگئے۔ امام القراء حضرت قاری عبدالمالکؒ کو اپنی بیماری کا خط لکھا۔ حضرت مولانا نے فوراً کراچی آنے کو کہا، چنانچہ آپ کراچی آگئے۔ کچھ دنوں تک یہاں بھی علیل رہے۔ انھی دنوں حضرت قاری محمد یوسفؒ نے حضرت امام القراء سے دارالعلوم مکھڈ کے لیے کسی اچھے مقری کا مطالبہ کر دیا، چنانچہ حضرت قاری صاحب کو مکھڈ بھیج دیا گیا، چونکہ مدرسہ

میں آپ کے معیار اور ذوق کے طلبا، نہیں تھے۔ اس لیے چھوڑ کر واپس چلے آئے۔

میرے شاہ میں آمد

صادق آباد میں جنوب مشرق کی طرف دس بارہ کوس کے فاصلے پر میرے شاہ میں مدرسہ خدام القرآن واقع ہے۔ مہتمم مدرسہ مولانا محمد عثمان دارالعلوم ٹنڈوالہ یار کے فاضل تھے۔ قاری صاحب بھی آپ کی یاد اللہ تھے، چنانچہ مولانا محمد عثمان کی دعوت پر آپ ۱۹۵۵ء میں میرے شاہ تشریف لے گئے۔ وہاں بھی نابالغ بچّے تھے. مولانا سیف اللہ اکرم روایت کرتے ہیں کہ

ایک روز مولانا محمدؒ عثمان کو فرمایا کہ بھائی آپ کے مدرسہ میں مناسب حال غذا نہیں مل رہی مولانا نے باورچی کو بُلا کر فرمایا کہ حضرت قاری صاحب جب بھی کسی چیز کا تقاضا کریں فوراً پوری کی جائے۔ دوسرے دن باورچی نے آپ سے مؤدبانہ درخواست کی کہ حضرت جی! تمام اساتذہ سے زیادہ آپ کا خیال رکھتا ہوں۔ پھر بھی آپ نے مہتمم صاحب سے شکایت کر دی۔ قاری صاحب متعجب ہوئے اور فرمایا بھائی! مَیں نے تو آپ کی کوئی شکایت وکایت نہیں کی۔ پھر فرمایا شاید مہتمم صاحب میری بات سمجھے نہیں۔ حضرت قاری صاحب نے فرمایا، مولانا میرا ہرگز یہ مطلب نہ تھا کہ مجھے معیاری خوراک دی جائے، بلکہ میرا مطلب تو یہ تھا کہ میرے معیار کے طلبہ نہیں ہیں۔

لاہور میں آمد

اس دوران مولانا سیّد حامد میاںؒ اور حاجی غلام دستگیر صاحب مولانا محمد عثمان کی دعوت پر میرے شاہ تشریف لے گئے۔ قاری صاحب سے ملاقات ہوئی قرآن مجید سُنا تو بہت سراہا۔ حضرت مولانا سیّد حامد میاں صاحبؒ نے حضرت قاری صاحب کو لاہور آنے کی دعوت دی۔

۱۹۵۶-۵۷ء کا زمانہ ہوگا۔ رمضان المبارک کا ستائیسواں روزہ تھا۔ یہ ناکارہ آوارہ عبدالقیوم مسلم مسجد تالاب کے اُوپر والے کمرے میں صاحبِ فراش تھا۔ دروازے پر دستک ہوئی اور ایک شخص اندر آیا دراز قامت کتابی چہرہ، روشن آنکھیں، گہری کالی — بھنویں، کشادہ پیشانی، عربی لباس، بشرے پر متانت اور سنجیدگی ہویدا۔ یہ تھے شیخ مکّی! آپ نے کھڑے کھڑے پُوچھا، مولانا سیّد حامد میاں سے

ملنا ہے۔ مَیں نے لیٹے لیٹے جواب دیا کہ مولانا کراچی تشریف لے گئے ہیں۔ ۲۹ رمضان کو واپسی ہے۔

چنانچہ ۲۹ رمضان کی شب قاری صاحب تشریف لائے اور مشرقی منارۂ مسجد میں جہاں مولانا قیام پذیر تھے دیر تک مجلس رہی۔ مولانا نے حضرت شیخ مکیؒ کو بہاولپور روڈ عیدگاہ میں نمازِ عید کی دعوت دی۔ نماز کے بعد جناب حاجی محمود صاحب عارف (خلیفہ مولانا سیّد حامد میاںؒ) کے مکان سعدی پارک میں تشریف لے گئے۔ سویاں کھائی گئیں۔ یہاں سے فارغ ہو کر حضرت قاری صاحبؒ دھوبی منڈی حضرت قاری اظہار احمد تھانویؒ سے ملنے چلے گئے جو اُن دنوں دھوبی منڈی کی مسجد میں مقیم تھے اور حضرت شیخ کے گہرے اور بے تکلّف دوستوں میں سے تھے۔

مسلم مسجد میں

دارالعلوم الاسلامیہ کی انتظامیہ سے حضرت قاری عبدالمالکؒ کا اختلاف ہُوا تو آپ دارالعلوم سے مستعفی ہو گئے۔ دارالعلوم کی انتظامیہ نے چاہا کہ اُن کا کوئی شاگرد آپ کی جگہ پر کام کرے، مگر کوئی بھی راضی نہ ہُوا۔ آخر کار حضرت مولانا قاری عبدالعزیز شوقی کو دعوت دی گئی۔ حضرت شوقی صاحب جامعہ مدنیہ مسلم مسجد میں جز وقتی اُستاد تھے۔ اُنہوں نے کہا چونکہ میں پہلے سے جامعہ مدنیہ میں پڑھا رہا ہوں، لہٰذا آپ کو حضرت مولانا سیّد حامد میاں صاحبؒ سے بات کریں، چنانچہ حضرت قاری سراج احمدؒ، حضرت قاری آل احمدؒ، حضرت مفتی جمیل احمد تھانوی اور دیگر انتظامیہ کے افراد نے مولانا سے کہا آپ کا ادارہ تو عربی کا ہے اگر چھوٹا موٹا قاری بھی رکھ لیں گے تو کام چل جائے گا، لیکن ہمیں اگر معیاری اُستاد نہ ملا تو ہمارا ادارہ ختم ہو جائے گا۔ مولانا نے حضرت شوقی صاحب کو اجازت دے دی، چنانچہ حضرت شوقی صاحب تو دارالعلوم الاسلامیہ چلے گئے اور یہاں جامعہ مدنیہ مسلم مسجد میں حضرت شیخ مکیؒ کو شعبہ تجوید میں رکھ لیا گیا۔ اب تک حضرت شیخ کی حالت یہ تھی کہ

دل کہیں، دیدہ کہیں، جی ہے کہیں، جان کہیں

انہیں کسی منزل آرام نہیں تھا کچھ بعید نہیں کہ وہ غالب کی زبان میں یہ کہتے ہوئے کسی اور منزل کی جستجو میں لاہور کو بھی چھوڑ جاتے کہ

ہے کہاں تمنّا کا دوسرا قدم یا ربّ ہم نے دشتِ امکاں کو ایک نقشِ پا پایا

لیکن حضرت مولانا سید حامد میاںؒ نے انھیں شادی کے بندھن میں باندھنے کی کوششیں شروع کر دیں پہلے تو حضرت شیخ مکّیؒ مانتے نہ تھے، لیکن آخر کار آمادہ ہوگئے۔ شاہ جہاں پور میرٹھ کے محمدّ حنیف نام کے ایک حافظ صاحب میرے پاس مشق کرنے آتے تھے۔اُن سے بات چیت ہوئی تو وہ راضی ہو گئے، چنانچہ ۱۹۵۹ء میں حضرت مولانا محمدّ ادریس کاندھلویؒ نے حضرت شیخ مکّی کا حافظ حنیف صاحب کی بیٹی کے ساتھ نکاح پڑھایا۔ یُوں قاری صاحب کے پاؤں میں زنجیر پڑ گئی۔ اب اس جال سے رستگاری ممکن نہیں تھی، چنانچہ آپ لاہور کے ہو کر رہ گئے۔ پھر اللہ نے آپ سے خوب کام لیا۔

جب جامعہ مدنیہ مسلم مسجد سے کریم پارک منتقل ہُوا تو حضرت قاری صاحب مدرسہ کریمیہ مسلم مسجد میں صدر شعبہ قرارت مقرّر ہوگئے، لیکن کچھ عرصہ بعد کچھ ناگزیر وجوہات کی بناء پر مدرسہ کریمیہ سے بھی استعفٰی پیش کر دیا۔

سکھر میں جب آپ کے دوست حاجی محمد یونس مرحوم کو خبر ہُوئی کہ قاری صاحب فارغ ہیں تو وہ آپ کو سکھر لے گئے۔ یہ تقریباً ۱۹۷۵ء کا زمانہ تھا۔ جمعیت العلماء دو حصّوں میں بٹ چکی تھی۔ آپ کا میلان مرکزی جمعیت کی طرف تھا۔ سکھر میں مفتی گروپ کا اثر زیادہ تھا، چونکہ حضرت قاری صاحب کھلی تنقید کرتے تھے اس لیے وہاں کا ماحول آپ کے خلاف ہوگیا۔ لہٰذا سکھر چھوڑ کر واپس لاہور آگئے۔ کچھ عرصہ فارغ رہے پھر مولانا عبدالقادر آزاد، رئیس شعبہ تبلیغ اوقاف نے احقر کی تجویز پر آپ کا تقرر شعبہ تبلیغ میں کرا دیا۔ اُن دنوں اوقاف کے ناظمِ اعلیٰ مشہور بیورو کریٹ اور ادیب شیخ محمد اکرام تھے۔ بھٹو صاحب کا دَور آیا تو یہ شعبہ ختم ہوگیا۔ قاری صاحب پھر سے فارغ ہوگئے۔ شیخ اکرام صاحب کو پتہ چلا تو انھوں نے موج دریا بخاری میں آپ کو بطور امام و خطیب مقرّر کر دیا۔ بریلوی مکتبِ فکر کی جانب سے بہت لے دے ہوئی مگر سب بے اثر رہا۔ کچھ عرصہ بعد مولانا آزاد کی تجویز پر مولانا کوثر نیازی نے علماء اکیڈیمی بادشاہی مسجد میں ائمہ و مؤذنین اوقاف کی تربیت کے لیے آپ کو مقرّر کر دیا۔ یہاں سے آپ مدّتِ ملازمت پوری کر کے ریٹائر ہوگئے۔ محکمہ اوقاف کی ملازمت کے ساتھ ساتھ میرے ہاں جزوی طور پر جامعہ صدیقیہ میں تدریس و خطابت جمعہ کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔

حضرتِ شیخ نے ہمہ جہت بھرپور زندگی گذاری۔ ابتدائی زندگی جتنی ہنگامہ خیز تھی۔ زندگی کے آخری ماہ و سال اس کے برعکس یوں گزرے کہ

رات دن کے ہنگامے، اک مہیب تنہائی
صبحِ زیست بھی تنہا ، شامِ زیست بھی تنہا

کبھی کوئی بھولا بھٹکا گھر چلا آیا تو مل ملا لیا۔ ورنہ اللہ اللہ خیر سلّا! وفات سے ڈیڑھ ماہ قبل نوجوان بیٹا داغِ مفارقت دے گیا۔ بیٹے کے پیچھے پیچھے تجوید و قرأت کی یہ عظیم شخصیت بھی ۲۶، ۲۷ دسمبر کی درمیانی شب اپنے پیدا کرنے والے کے ہاں پہنچ گئی۔

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

آپ نے اپنے پسماندگان میں اہلیہ، دو بیٹے عبدالرحمٰن مکی، احمد مکّی اور تین بیٹیاں چھوڑی ہیں۔

حضرت شیخ مکّی اور اکابرین

قریباً ۱۹۵۹ء کی بات ہو گی۔ جون کا مہینہ تھا۔ ایک روز امام القراء حضرت قاری عبدالمالکؒ نے حضرت قاری مکّی صاحبؒ کی دعوت کی۔ حضرت نے مجھے اور میرے رفیق قاری محمدؒ اسمٰعیل مرحوم کو ساتھ لیا۔ ان دنوں امام القراء کا قیام سمن آباد موڑ کے قریب تھا۔ سامنے قصر سخاوت تھا۔ محترم جناب حافظ شفقت علی صاحب اور محترم حاجی شوکت علی صاحب، حضرت قاری عبدالمالک کے عقیدت مند تھے۔ دعوت کا اہتمام قصرِ سخاوت کی چھت پر تھا۔ ان دنوں قاری عبدالباسط مرحوم کی سورہ رحمٰن کی تلاوت نئی نئی آئی تھی۔ بھائی شوکت نے حضرت قاری صاحب کو سنانے کے لیے ٹیپ چلا دی۔

قاری عبدالباسط کی تلاوت کے بعد حضرت مکّی صاحب کی سورۂ رحمٰن کی تلاوت لگائی گئی۔

امام القراء حضرت مکّی صاحب کی بے ساختہ عربی طرزِ ادا میں تلاوت کو سن کر جوشِ محبّت میں فرمانے لگے۔

"شوکت! شوکت! میرے مکّی کو سن! میرے مکّی کو سن!"

گویا فرما رہے ہوں۔

گُل کو محبوب ہم جو قیاس کیا
فرق نکلا بہت جو باس کیا

حضرت مفتی محمدّ شفیع سرگودھویؒ حضرت مکّی صاحبؒ کی تلاوت کے عاشق تھے۔ مہینہ میں دوبار صرف حضرت مکّی صاحبؒ کی تلاوت سُننے کے لیے لاہور تشریف لایا کرتے تھے۔

ایک دفعہ مسلم مسجد میں مصری قرار کا ایک وفد پاکستان کے دَورے پر تھا۔ جامعہ اشرفیہ میں محفل قرأت تھی احقر بھی سُننے کے لیے حاضر ہُوا۔ استاذ العلماء حضرت مولانا رسول خان صاحبؒ مین گیٹ کے سامنے گھاس پر تشریف فرما تھے۔ احقر قدم بوسی کے لیے حاضر ہُوا۔ اور دو زانو ہوکر بیٹھ گیا۔ نہ جانے کیا خیال آیا۔ فرمانے لگے۔ ہمارے شیخ القراء تو قاری عبدالوہاب المکّی ہیں۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ فرمایا کرتے تھے کہ ہم مکّی صاحب کے ممنونِ احسان ہیں کہ ان کی وجہ سے ہمارے گھر میں تجوید و قرأت کا فن آیا۔ مولانا محمد عثمان صدّیقی اور مولانا محمد عمران صدّیقی صاحبزادگان اور مولانا ادریس کاندھلویؒ نے تجوید حضرت مکّی صاحب سے پڑھی۔

حضرت قاری مکّی صاحب جب حضرت مولانا مفتی محمد حسنؒ بانی جامعہ اشرفیہ کے ہاں تشریف لے جاتے تو حضرت آپ کے لیے خصوصی طور پر کھٹولا منگواتے اور اس پر بٹھا کر آپ کی تلاوت سے لُطف اندوز ہوتے۔

حضرت مولانا عبد القادر رائے پوری قدس سرہ حضرت قاری مکّی صاحبؒ سے بے انتہا محبت فرماتے تھے۔ جب بھی حاضر ہوتے اپنے ساتھ چارپائی پر بٹھاتے۔ اگر ملے ہُوئے کچھ دیر ہو جاتی تو فرماتے کیا بات ہے میرے مکّی نہیں آئے۔ نہایت ذوق و شوق سے آپ کی تلاوت سُنتے۔ حضرت قاری صاحبؒ آپ کے مرید ہوئے تو فرمایا! آپ کا ذکر اذکار قرآن ہی ہے اسی کو وردِ زبان رکھیں کہ

عمرِ نظر کی آخری منزل ہے قرآن

قاری عزیز اللہ خاں راوی ہیں کہ ایک دفعہ حضرت قاری صاحبؒ عمرہ سے واپس ہُوئے تو حضرت مفتی محمد شفیع صاحب سے ملنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ میں حضرت قاری صاحبؒ کو

گاڑی میں بٹھا کر دارالعلوم لے گیا۔ دفتر سے رابطہ کیا تو اُنھوں نے صاف انکار کر دیا کہ مفتی صاحب کی سخت علالت کی وجہ سے ڈاکٹروں نے ملاقات پر پابندی لگا رکھی ہے۔ حضرت قاری صاحب نے فرمایا، بھائی اتنی مہربانی کریں کہ اندر جا کر حضرت مفتی صاحب سے عرض کریں کہ قاری مکّی سلام کی غرض سے حاضر ہُوا ہے۔

خادم نے اندر جاکر پیغام دیا تو مفتی صاحب نے فرمایا بھائی وہ میرے مکّی ہیں ان کو فوراً اندر لے آؤ۔ حضرت مکّی صاحب اندر گئے تو مفتی صاحب نے اُٹھ کر اکرام فرمایا۔ قریباً پون گھنٹہ گفتگو ہوتی رہی۔ پھر اپنے صاحبزادگان مولانا تقی عثمانی اور مولانا رفیع عثمانی کو بلوایا اور فرمایا دیکھو بھائی ہمارے پیارے مکّی بہت دیر بعد آئے ہیں۔ ان کی تواضع کا اہتمام کرو۔ انتہائی کمزوری کے باوجود رُخصتی کے وقت دروازے تک چھوڑنے آئے۔

قاری عزیزاللہ خان ہی کی روایت ہے کہ

دوسرے دن حضرت بنوریؒ سے ملنے کا پروگرام بنا۔ حضرت بنوریؒ کو اطّلاع ہوئی تو فوراً باہر تشریف لائے۔ مہمان خانۂ خاص میں لے گئے اور بہت محبت سے پیش آئے۔ خُوب مہمان نوازی فرمائی تمام مدرسہ دکھایا۔ کافی دیر گفتگو فرماتے رہے۔ رُخصت کرتے وقت کچھ ہدیہ بھی پیش فرمایا۔ اور فرمایا کہ مَیں شکر گزار ہوں کہ زندگی میں آپ سے ملاقات ہوگئی۔ پھر فرمایا پچھلی تمام باتیں بھول جائیں کسی کی غلط اطلاع پر تلخی ہوگئی تھی۔ یہ دراصل دارالعلوم ٹنڈو اللہ یار کے قیام کے دوران ہونے والی کسی تلخی کی طرف اشارہ تھا۔

ابنِ امیرِ شریعت حضرت سیّد عطاء المحسن بخاری راوی ہیں کہ میں حضرت قاری عبدالمالکؒ سے پڑھنے کے لیے حاضر ہُوا تو فرمایا۔

"اگر فن سیکھنا ہو تو مجھ سے سیکھو اور طرزِ ادا سیکھنی ہو تو میرے مکی کے پاس جاؤ"

ایک دفعہ بہاولپور میں محفلِ قرأت میں شرکت کے بعد قاسم العلوم ملتان میں حضرت مفتی محمود صاحبؒ سے ملنے گئے۔ مفتی صاحبؒ نے قاری صاحبؒ کا بہت اکرام فرمایا کچھ دیر بعد اجازت چاہی تو مفتی صاحبؒ فرمانے لگے کہ ہم پٹھانوں کی روایت ہے کہ ہم بغیر تواضع کے مہمانوں

کو رُخصت نہیں کرتے۔ لہٰذا آپ کھانا کھائے بغیر نہیں جا سکتے۔ کھانے کے دوران حضرت مفتی صاحبؒ نے حضرت شیخ کی یُوں تواضع کی جیسے کوئی شاگرد اپنے اُستاد کی کرتا ہے۔ کھانے کے بعد چائے کا دَور چلا۔ اس دوران دونوں بزرگ عربی میں گفتگو فرماتے رہے۔ کھانے کے بعد حضرت مفتی صاحبؒ سڑک تک چھوڑنے آئے اور جیب میں سے آٹھ ٹکٹ نکال کر حضرت قاری صاحب کو دیے اور فرمایا بس انکار نہ فرمایئے گا۔ حضرت مفتی صاحب نے کھانے کے دوران ہی ٹکٹ منگوالیے تھے۔ مضمون بہت طویل ہوگیا۔ کہنا صرف یہ ہے کہ اسلاف ہوں یا اخلاف سبھی آپ کی تلاوت کے قائل ہی نہیں گھائل بھی تھے۔ حضرت قاری عبدالمالک صاحب رُخصت ہُوئے تو حضرت قاری مکّی صاحبؒ کے وجود مسعود نے خلا نہ پیدا ہونے دیا۔ گویا حضرت امام القراء کی رُوح مطمئنہ کہہ سکتی تھی۔

آ کے سجادہ نشیں قیس ہُوا میرے بعد
نہ رہی دشت میں خالی میری جا میرے بعد

لیکن اب شیخ القراء حضرت قاری مکّی صاحبؒ کا خلا کون پُر کرے گا۔

ایک ضروری گذارش

قارئین کرام سے گذارش کی جاتی ہے کہ انوارِ مدینہ کی توسیع اشاعت کے سلسلے میں ادارہ سے تعاون فرمایا جائے، یہ ایک دینی رسالہ ہے اس لیے اسے پھیلانا اور زیادہ سے زیادہ لوگوں کو اس کے علمی مضامین سے استفادہ پر آمادہ کرنا باعثِ ثواب ہے۔ لہٰذا درخواست ہے کہ اس سلسلے میں آپ جس قدر بھی تعاون فرما سکتے ہیں ضرور فرمایئے۔

ہم ایسے تمام معزز قارئین سے جن کی خدمت میں اب تک رسالہ اعزازی طور پر بھیجا جاتا رہا ہے ملتمس ہیں کہ اگر وہ آئندہ سالانہ چندہ ارسال فرماکر اس کی خریداری قبول فرمالیں تو بہت بہتر ہوگا۔ اس طرح سے جامعہ مدنیہ کا بوجھ بھی ہلکا ہوجائے گا اور وہ بھی اس کارِ خیر کی معاونت پر اجر کے مستحق ہوں گے اور ممکن ہے کہ ان کے تعاون سے ہم رسالہ کو اس سے زیادہ بہتر شکل میں قارئین کی خدمت میں پیش کر سکیں۔

(ادارہ ماہنامہ انوارِ مدینہ جامعہ مدنیہ کریم پارک لاہور)

الحاج سید امین گیلانی

چھوڑو بھی

مِرے قریب نہ آئے طبیب چھوڑو بھی — کہ موت کا ہے فرشتہ قریب چھوڑو بھی

نہ ڈالو، پاؤں میں اب میرے زیست کی زنجیر — مجھے بلاتا ہے میرا حبیب چھوڑو بھی

نہ کوئی ہیر نہ رانجھا نہ مجنوں و لیلیٰ — کہانیاں ہیں عجیب و غریب چھوڑو بھی

نہیں یہ اُتری تھی تم جیسے بُزدلوں کیلیے — پڑھو نہ آیۂ فتح قریب چھوڑو بھی

یہ وہم کے ہیں کرشمے، یہ نفس کا ہے فریب — نہ کوئی دوست نہ کوئی رقیب چھوڑو بھی

اَدب سے بے اَدبی کر رہے ہیں ٹھاٹھ کیساتھ — ہمارے دَور کے اکثر ادیب چھوڑو بھی

نظام ملک کا بدلیں گے یہ نظام الملک — تماری بات ہے کتنی عجیب چھوڑو بھی

نصاب بدلیں گے تعلیم کا نہ یہ جب تک — تو کیسے بدلیں ہمارے نصیب چھوڑو بھی

جسے شعور نہیں ہے خطاب کرنے کا — ہمارے شہر کا ہے وہ خطیب چھوڑو بھی

تمارے باغ کا دستور ہی نرالا ہے — بنے ہیں "بُوم" یہاں عندلیب چھوڑو بھی

یہ تم نے کس کو بنایا، امام مسجد کا — لٹک رہی ہے گلے میں صلیب چھوڑو بھی

امینؔ آج کے پیچھے جو کل کا منظر ہے
وہ ہوگا اِس سے زیادہ مہیب چھوڑو بھی

(مضامینِ علمیہ)　　قسط : ۱

جاوید احمد غامدی صاحب کے افکار و نظریات

ایک مختصر جائزہ

حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالواحد زید مجدہم
مدرّس و نائب مفتی و فاضل جامعہ مدنیہ

ایک صاحب جاوید احمد غامدی نام کے لاہور میں ایک عرصہ سے دین کے نام پر کام کر رہے ہیں۔ انھوں نے بظاہر کہیں سے باقاعدہ دینی تعلیم حاصل نہیں کی۔ اسلاف کے علم پر مطمئن نہیں۔ لہٰذا دین کے علمی میدان میں اپنی انفرادیت کے قائل ہیں۔ اگرچہ اس کے لیے ان کو جہل مرکّب کے ستون پر ہی کھڑا ہونا پڑے۔ المورد کے نام سے ایک ادارہ بھی قائم کر رکھا ہے اور پہلے المورد اور اب اشراق کے نام سے ماہنامہ نکالتے ہیں۔

اپنی کتاب میزان حصّہ اوّل میں جاوید غامدی صاحب نے "قانون میراث" کے نام سے اپنا ایک مضمون شائع کیا ہے۔ ہم نے جاوید غامدی صاحب کے بارے میں جو بات اُوپر کہی یہ مضمون اس کا مظہر اعلیٰ اور مصداق عظیم ہے۔ اس مضمون پر ہمارا ایک ناقدانہ تبصرہ مجلّہ منہاج میں چند سال پہلے شائع ہوا تھا۔ وہ اب مزید توضیح کے ساتھ انوارِ مدینہ کے قارئین کی خدمت میں پیش ہے، لیکن اس سے پیشتر جاوید غامدی صاحب کا مزید تعارف حاصل کرنے کے لیے اختصار کے ساتھ ان کے چند تفردات پیش کیے جاتے ہیں۔

بسم اللہ نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

۱۔ امین احسن اصلاحی کے تفسیر و حدیث سے متعلق اُصول سے اتفاق

ماہنامہ اشراق جون ۱۹۹۳ء کے صفحہ ۴۳ پر غامدی صاحب لکھتے ہیں۔

"فکر فراہی و اصلاحی میرے نزدیک . . . . ان اُصولوں کا نام ہے جو فراہی و اصلاحی

نے قرآن و سُنّت میں تفقہ اور ان سے اخذ و استنباط کے لیے اختیار کیے ہیں۔ ان اُصولوں کو میں بالکل صحیح سمجھتا ہوں اور اپنی ہر تحقیق میں ہمیشہ انہیں پیشِ نظر رکھتا ہوں۔"

امین احسن اصلاحی صاحب جن کو غامدی صاحب استاذ امام کہتے بھی نہیں تھکتے اُنھوں نے قرآن و سُنّت میں تفقہ سے متعلق دو کتابیں تصنیف کی ہیں ایک مبادی تدبرِ قرآن اور دوسری مبادی تدبرِ حدیث۔ ان دونوں کتابوں میں درج ذیل اُصول خود قرآن و حدیث اور عقل کے کتنے خلاف ہیں۔ اس پر ہم نے "تحفۂ اصلاحی" کے نام سے ایک تبصرہ لکھا ہے جو کتابی صُورت میں تو اگرچہ ابھی تک نہیں چھپا، البتہ جامعہ مدنیہ کے رسالہ انوار مدینہ میں قسط وار شائع ہوچکا ہے۔ اصلاحی صاحب کے اُصول کے بارے میں انتہائی مختصر الفاظ میں یہ کہا جاسکتا ہے۔

ہوئے تم دوست جس کے دُشمن اسکا آسماں کیوں ہو

۲۔ حضرت عیسٰی علیہ السّلام کی حیات اور نزول کا انکار

ماہنامہ اشراق اپریل ۱۹۹۵ء صفحہ ۴۵ پر لکھتے ہیں۔

"سیّدنا مسیح علیہ السّلام کے بارے میں جو کچھ میں قرآن مجید سے سمجھ سکا ہوں وہ یہ ہے کہ اُن کی رُوح قبض کی گئی اور اس کے فوراً بعد اُن کا جسدِ مُبارک اُٹھا لیا گیا تھا کہ یہود اس کی بے حرمتی نہ کریں۔ یہ میرے نزدیک اُن کے منصب رسالت کا ناگزیر تقاضا تھا، چنانچہ قرآن مجید نے اسے اسی طرح بیان کیا ہے انی متوفیك ورافعك الی۔ اس میں دیکھ لیجیے توفی وفات کے لیے اور "رفع" اس کے بعد رفع جسم کے لیے بالکل صریح ہے۔"

اشراق جولائی ۱۹۹۴ء صفحہ ۳۲ پر لکھتے ہیں۔

"حضرت مسیح کو یہود نے صلیب پر چڑھانے کا فیصلہ کر لیا تو فرشتوں نے ان کی رُوح ہی قبض نہیں کی اُن کا جسم بھی اُٹھا کر لے گئے کہ مبادا یہ سرپھری قوم اس کی توہین کرے۔"

تبصرہ: حضرت عیسٰی علیہ السّلام کا زندہ آسمان پر اُٹھا لیا جانا اور قُربِ قیامت میں دوبارہ نازل ہونا اُمّت کے اجماعی عقیدوں میں سے ہے اور نزولِ مسیح علیہ السّلام کا مضمون تواتر سے ثابت ہے۔

غامدی صاحب نبی اور رسول کے درمیان فرق بیان کرتے ہیں۔(دیکھیے میزان حصہ اوّل: اشراق جولائی ۱۹۹۴ء)

اس کا حاصل یہ ہے کہ باقی جتنے رسول ہیں اللہ تعالیٰ ان کی جان کے دشمنوں سے اُن کی حفاظت فرماتے ہیں۔حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے لیے آگ کو گلزار بنا دیتے ہیں۔حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے لیے سمندر کو پھاڑ دیتے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کو اس طرح بچایا کہ قریش کے بڑے بڑے خاندانوں کے تیغ بند جوان آپ کے گھر کا محاصرہ کرکے کھڑے ہوگئے تو آپ ان کے سر پر خاک ڈال کر اس طرح نکل گئے کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوئی۔ لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے اپنی سنّت بدل دی۔ یہود اُن کی جان کے دشمن تھے۔غامدی صاحب کے بقول اللہ تعالیٰ نے خود ہی ان کی جان نکال دی اور محض اس اندیشے سے کہ کہیں یہود لاش کی بے حرمتی نہ کریں فرشتوں سے لاش اُٹھوا کر نہ جانے کہاں پہنچادی۔اسی طرح سہی یہود کی راہ سے مخالف تو نکل گیا۔دشمن کو اپنا مقصود و مطلوب تو حاصل ہوگیا۔ انّا للہ وانّا الیہ راجعون۔

اور یہ کہنا کہ توفی وفات کے لیے بالکل صریح ہے۔حقیقتاً علم سے محرومی کی دلیل ہے۔ سورۂ زمر آیت نمبر ۴۲ کا مطالعہ کریں۔

اللہ یتوفی الانفس حین موتھا والتی لم تمت فی منامھا فیمسك التی قضی علیھا الموت و یرسل الاخری

اس آیت میں توفی کا لفظ ان لوگوں کے لیے بھی استعمال ہوا ہے جن کی موت ابھی نہ آئی ہو۔

۴۔اللہ تعالیٰ کی قدرت کے ایک پہلو کے بیان کو فضول قرار دینا

اشراق ستمبر ۱۹۹۳ء صفحہ ۴ پر غامدی صاحب یوں لکھتے ہیں۔

" اس طرح جن لوگوں نے اس کی قدرت کا اقرار کیا، لیکن اس کی حکمت ان کی نگاہ میں نہ رہی انھیں ایمانیات کی فہرست میں اس طرح کی فضول باتیں بھی داخل کرنا پڑیں کہ اللہ تعالیٰ اگر چاہیں تو اپنے سب سے زیادہ وفادار بندوں کو جہنّم میں ڈال دیں اور چاہیں تو نمرود و فرعون اور ابولہب جیسے حق کے دشمنوں کو جنّت میں سب سے پہلے اعلیٰ مقام

عطا فرما دیں"۔

تبصرہ : اللہ تعالیٰ تمام ممکنات (POSSIBILITIES) پر قدرت رکھتے ہیں۔ اس کی تفصیل میں اگر اہلِ حق نے مذکورہ بالا بات ذکر کر دی تو غامدی صاحب اس کو فضول باتوں سے تعبیر کر رہے ہیں حالانکہ ان باتوں کا ذکر خود قرآن پاک میں ہے۔

قرآن پاک میں ایک جگہ فرمایا ان اللہ لا یغفر ان یشرك بہ (اللہ اسکو معاف نہیں فرمائیں گے کہ ان کے ساتھ شرک کیا جائے۔)

اس ضابطہ کے باوجود حضرت عیسٰی علیہ السّلام عرض کریں گے۔

ان تعذبھم فانھم عبادك وان تغفر لھم فانك انت العزیز الحکیم (سورہ مائدہ: ۱۱۸)

اگر آپ اُن کو سزا دیں تو یہ آپ کے بندے ہیں اور آپ ان کو معاف فرمادیں تو آپ زبردست ہیں حکمت والے ہیں۔

یعنی حضرت عیسٰی علیہ السّلام عرض کر رہے ہیں کہ اگر آپ اپنے ضابطہ اور وعید کے مطابق اُن کو سزا دیں تو جب بھی آپ مختار اور قدرت والے ہیں اور اگر ضابطہ اور وعید کے برخلاف آپ بالفرض ان کو معاف فرمادیں تو جب بھی آپ مختار ہیں کیونکہ آپ زبردست قدرت والے ہیں جس میں معافی بھی شامل ہے۔

حضرت عیسٰی علیہ السّلام اللہ تعالیٰ کی عموم قدرت کے تحت وہی بات تو ذکر کر رہے ہیں جس کو غامدی صاحب فضول بات بتا رہے ہیں۔

۴۔ فقہاء پر طعنہ زنی

قانونِ میراث کے عنوان سے غامدی صاحب نے اپنی کتاب میزان حصّہ اوّل میں ایک مضمون شامل کیا ہے۔ اس پر ہمارا مفصّل تبصرہ آگے آرہا ہے۔ البتّہ اس کے چند فقرے تو پڑھیے۔

"فقیہان کرام اس بات پر متفق ہیں کہ لڑکیوں کے حصّے بہرصورت پُورے ترکے میں سے دیے جائیں گے ان حضرات کی یہی غلطی ہے جس کی وجہ سے اُنہیں 'عول' کا وہ عجیب وغریب قاعدہ ایجاد کرنا پڑا ہے۔ جس کو ماہرین فقہ وقانون کی بوالعجبیوں میں قیامت تک بلند ترین مقام حاصل رہے گا کسی شخص نے کبھی علمی دُنیا کے اعجوبوں کی تاریخ مرتّب کرنا شروع کی تو ہمیں یقین ہے کہ ہمارے علم میراث کی یہ یادگار اس میں سرفہرست ہوگی۔

یہ حضرات چونکہ لڑکیوں کو ہر حال میں پورے ترکے کا دو تہائی دلوانا چاہتے ہیں اس لیے بعض صورتوں میں ترکہ کسی طرح تقسیم نہیں ہوتا۔ اس مشکل کو حل کرنے کے لیے ہمارے یہ فقہا حصّوں میں ایک جیسی کمی کر دیتے ہیں۔ اسی کا نام علم میراث کی اصطلاح میں 'عول' ہے۔ حیرت ہوتی ہے کہ اسلوب بیان کی نزاکتوں کو سمجھنے اور آیات پر غور و تدبّر کرنے کے بجائے ان حضرات نے یہ چیستان اللہ تعالیٰ سے منسوب کر دیا ہے اور اس کی دریافت کا سہرا حضرت عمرؓ کے سر باندھا ہے اس پر اس کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو معاف فرمائے۔" (ص۔ ۵۰)

خود غامدی صاحب کے بقول تمام فقہاء عول کے مسئلہ پر متفق ہیں، لیکن اسلوب بیان کی نزاکتوں کا جو ادراک غامدی صاحب کو چودہ صدیوں بعد حاصل ہوا ہے۔ تمام فقہاء اس سے محروم ہی رہے۔ اور یہ غامدی صاحب کی بڑی فیاضی ہے کہ اُن کی اتنی بڑی کوتاہی کے باوجود غامدی صاحب ان کے لیے معافی کی دُعا کر رہے ہیں۔

غامدی صاحب نے اپنے اس مقالہ میں اپنے غور و تدبّر کے جو کارنامے دکھائے ہیں ان کو ہمارے تبصرے میں ملاحظہ فرمائیے گا۔

۵۔ مرتد کی سزائے موت کا انکار

اُمّت مسلمہ کے ایک اور متفق علیہ مسئلہ یعنی مرتد کی سزائے موت سے غامدی صاحب متفق نہیں۔ ان کے مطابق چودہ سو سال تک اس مسئلہ کے بارے میں اُمّت گمراہی میں مُبتلا رہی اور اَب چودہ صدیوں کے بعد غامدی صاحب عربی ادب و بلاغت اور اسلوب بیان کی نزاکتوں کے کمال ادراک سے متصف ہو کر اُمّت کو اس گمراہی سے نکالنے آئے ہیں۔ لکھتے ہیں۔

" ارتداد کی سزا کا یہ مسئلہ محض ایک حدیث کا مدعا نہ سمجھنے کی وجہ سے پیدا ہوا ہے۔ ابن عبّاس کی روایت سے یہ حدیث بخاری میں اس طرح نقل ہوئی ہے۔

من بدل دینہ فاقتلوہ جو شخص اپنا دین تبدیل کرلے اسے قتل کر دو۔

ہمارے فقہا اسے بالعموم ایک حکم عام قرار دیتے ہیں جس کا اطلاق ان کے نزدیک ان سب لوگوں پر ہوتا ہے جو زمانہ رسالت سے لے کر قیامت تک اس زمین پر کہیں بھی اسلام کو چھوڑ کر کفر

اختیار کریں گے۔ اُن کی رائے کے مطابق ہر وہ مسلمان جو اپنی آزادانہ مرضی سے کفر اختیار کرے گا۔ اسے اس حدیث کی رو سے لازماً قتل کر دیا جائے گا۔ اس معاملہ میں اُن کے درمیان اگر کوئی اختلاف ہے تو بس یہ کہ قتل سے پہلے اُسے توبہ کی مہلت دی جائے گی یا نہیں اور اگر دی جائے گی تو اس کی مدت کیا ہونی چاہیے۔ فقہائے احناف البتہ عورت کو اس حکم سے مستثنیٰ قرار دیتے ہیں۔ ان کے علاوہ باقی تمام فقہاء اس بات پر متفق ہیں کہ ہر مرتد کی سزا خواہ وہ عورت ہو یا مرد اسلامی شریعت میں بہرحال قتل ہی ہے۔

لیکن فقہاء کی یہ رائے کسی طرح صحیح نہیں ہے۔ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کا یہ حکم تو بیشک ثابت ہے مگر ہمارے نزدیک یہ کوئی حکم عام نہ تھا بلکہ صرف انہی لوگوں کے ساتھ خاص تھا۔ جن میں آپ کی بعثت ہوئی اور جن کے لیے قرآن مجید میں امیین یا مُشرکین کی اصطلاح استعمال کی گئی ہے۔"

(اشراق دسمبر ۱۹۹۴ء صفحہ ۴۲)

۶۔ احسان و تصوف کو گمراہی قرار دینا

اشراق جولائی ۱۹۹۳ء صفحہ ۳۶ کے حاشیہ پر لکھتے ہیں۔

"اُس لحاظ سے دیکھا جائے تو اللہ کی ہدایت یعنی اسلام کے مقابلے میں تصوّف وہ عالمگیر ضلالت ہے جس نے دُنیا کے ذہین ترین لوگوں کو متأثر کیا ہے۔"

تبصرہ : غامدی صاحب عربی اشعار کی کچھ واقفیت اور اسلوبِ بیان کی نزاکتوں کے اختراع کو اپنی پونجی بنا کر عالمگیر منصف بن گئے ہیں اور اب اُن کے قلم نے یہ فیصلہ صادر کر دیا ہے کہ امام غزالی، حضرت مجدد الف ثانی، حضرت شاہ ولی اللہ، حضرت سیّد احمد شہید اور شاہ اسمٰعیل شہید اور سلسلۂ تصوّف سے منسلک تمام ہی حضرات عالمگیر ضلالت و گمراہی میں مبتلا تھے۔

بدعتی لوگ شاہ اسمٰعیل شہید رحمہ اللہ پر تقویت الایمان جیسی توحید خالص پر عظیم الشّان کتاب کی وجہ سے کفر کا الزام دیتے ہیں اور جاوید غامدی جیسے لوگ ان کو عبقات جیسی کمال توحید پر عالی شان کتاب کی وجہ سے ضلالت و گمراہی کا ملزم ٹھہراتے ہیں۔

جہل مرکّب میں مبتلا لوگوں کا یہی معاملہ ہوتا ہے کہ جب کسی بڑے کی بات کو وہ جیسی سمجھنی

چاہیے۔ سمجھ نہیں پاتے تو غلط سلط جو سمجھا ہوتا ہے۔ اس کو اصل بنا کر فیصلہ جاری کرتے ہیں اور پھر کوئی صحیح مطلب سمجھائے تو اسی کو غلطی پر کہتے ہیں۔

غامدی صاحب نے حضرت شاہ اسمٰعیل شہید رحمہ اللہ کی عبقات سے یہ عبارت بھی بطور اعتراض نقل کی ہے۔

> اتفق اهل الكشف والوجدان وارباب الشهود والعرفان مؤيدين بالبراهين العقلية والاشارات النقلية على ان القيوم للكثرات الكونية واحد شخصي

اس کا ترجمہ وہ یُوں کرتے ہیں۔

> وہ سب لوگ جو کشف و وجدان اور شہود و عرفان کی نعمت سے بہرہ یاب ہُوئے اس بات پر متفق ہیں کہ تمام مخلوقات کے لیے ما بہ التعین ایک ہی متعین وجود ہے اور عقل کے دلائل اور قرآن و حدیث کے اشارات سے ان کی اس بات کی تائید ہوتی ہے

ما بہ التعین کی وضاحت غامدی صاحب حاشیہ پر اس طرح کرتے ہیں یعنی جس سے کوئی چیز موجود ہوتی ہے جیسے لوہے سے تلوار اور چھُری وغیرہ۔ (ص ۳۵ اشراق جولائی ۱۹۹۳ء)

غامدی صاحب یہ کہنا چاہتے ہیں کہ عبقات کی عبارت کا مطلب یہ ہے جیسے لوہا مختلف شکلیں اختیار کر لیتا ہے کبھی تلوار کی، کبھی چھُری کی وغیرہ۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کا وجود مخلوقات کی صُورتیں اختیار کر لیتا ہے۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ عبارت کا ترجمہ بھی بالکل غلط کیا اور مطلب بھی انتہائی غلط اور گندا سمجھا۔

عبارت کا صحیح ترجمہ یہ ہے۔

> تمام ارباب کشف و وجدان اور شاہد و عرفان والوں کا یہ اتّفاقی فیصلہ ہے جس کی تائید میں وہ عقلی دلائل اور نقلی قرائن بھی پیش کرتے ہیں کہ کائنات کی ساری کثرتیں (بہ شکل جمادات و نباتات، حیوانات و انسان علویات و سفلیات وغیرہ جو نظر آ رہی ہیں) ان کا قیوم ایک واحد شخصی وجود ہے۔

غامدی صاحب کی غلطی کا سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے عبقات کی عبارت میں قیوم (جس کا ترجمہ غامدی صاحب نے مابہ التعین کیا ہے) سے خدا کا وجود سمجھ لیا ہے۔

حالانکہ شاہ اسمٰعیل شہید تو عبقات ہی میں اس قیوم اور واحد شخصی وجود کو امکانی وجود کہتے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ کا وجود واجب ہے اور وہ اس قیوم اور امکانی وجود کا خالق ہے۔ اس بات کو شاہ صاحب ہی کی دی ہوئی مثال سے سمجھئے۔

ہم اپنے ذہن میں ایک درخت کا نقشہ بناتے ہیں اس کو ہم اپنی خیالی اور ذہنی تخلیق کہہ سکتے ہیں اب ایک شخص مثلاً زید اپنے ذہن میں ایک باغ کا نقشہ جماتا ہے اور اس کے خیال کی طرف پوری طرح منہمک ہو جاتا ہے۔ باغ میں درخت بھی ہیں پھول بھی ہیں۔ فوارے بھی ہیں۔ پرندے ہیں اور چلنے کے راستے بھی ہیں۔ غرض بہت سی چیزیں ہیں۔ ایک خیالی وجود ہے جو ان تمام خیالی اشیا میں مشترک ہے۔ اگر یہ وجود نہ ہو تو یہ اشیاء بھی موجود نہ ہوسکیں۔ تو ان تمام ذہنی تخلیقات کو ذہنی اور خیالی وجود قائم رکھے ہوئے ہے۔ لہٰذا یہ خیالی وجود ان خیالی اشیاء کا قیوم ہے، لیکن کیا ان اشیاء کا ذہنی وجود بعینہ زید کا وجود ہے؟ ظاہر ہے کہ نہیں۔ بلکہ زید تو اس ذہنی وجود کا خالق ہے اور وہ خود اس کا قیوم ہے۔ یعنی وہ خیالی وجود کو قائم رکھے ہوئے ہے۔

اسی طرح سمجھیے کہ عالم کی تمام چیزوں میں جو ہمیں وجود نظر آرہا ہے شاہ صاحب کہتے ہیں کہ یہ امکانی وجود ہے اور تمام اشیاء کے لیے وہ قیوم ہے، لیکن خود اس امکانی وجود اور قیوم کے خالق اللہ تعالیٰ ہیں اور جیسے زید اپنی خیالی مخلوقات سے متصف نہیں ہو جاتا اسی طرح اللہ تعالیٰ بھی اپنی مخلوقات اور ان کے آثار سے متصف نہیں ہوتے۔[۱]

نمونہ اور مثال کے طور پر یہ چند باتیں ذکر کر دی ہیں۔ ان لوگوں کا مبلغ علم دیکھئے اور ان لوگوں کی جرأتیں دیکھیے۔ حضرت محمد بن سیرین رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ——————

—————— یہ علم تو دین ہے اور تمہیں یہ دیکھنا لازم ہے کہ کس شخص سے اپنے دین کو حاصل کر رہے ہو۔[۲] یہ بڑی اہم اور بنیادی ہدایت ہے جس کو کسی صورت بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

---

[۱] اس بارے میں مزید تفصیل ہماری زیرِ طبع کتاب "اسلامی عقائد" میں ملاحظہ فرمائیں [۲] مشکوٰۃ ص ۳۷

جاوید غامدی صاحب کے مضمون "قانون میراث" کا تنقیدی جائزہ

چند قابلِ توجّہ اُمور جاوید صاحب کے مضمون پر کچھ کلام کرنے سے پیشتر ہم چاہتے ہیں کہ چند اُمور کی طرف توجّہ دلائیں۔

۱۔ جاوید صاحب اپنے مضمون میں جا بجا بلاغت کے اسالیب، اعلیٰ اسلوبِ بیان وغیرہ جیسے الفاظ اور لبید واعشیٰ زہیر و امرأ القیس کا نام ذکر کرتے ہیں جس سے قاری کو یہ ذہن نشین کرانا چاہتے ہیں کہ پچھلے مفسّرین اور فقہاء غالبًا ان اُمور سے نابلد تھے یا ان کا ادبی ذوق بلند نہ تھا اور جو پایا بھی جاتا ہے تو وہ محض بعض مولدین مثلاً متنبی وغیرہ کا تابع ہے اور یہ کہ ان چند لوگوں نے (مثلاً مولوی امین احسن اصلاحی اور جاوید احمد وغیرہ نے) قرآن فہمی کا اصل طریقہ اب کہیں دوبارہ دریافت کیا ہے جس کی بناء پر ان پر فقہاء اور (فقہاء کی پیروی کی وجہ سے) اصحاب تاویل وغیرہ کی اغلاط منکشف ہوتی ہیں۔

جاوید صاحب کی یہ بات اُصولی طور پر غلط ہے۔ علوم عربیہ میں استشہاد صرف جاہلی و مخضرمی ادب سے ہوسکتا ہے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ کوئی شخص کل قرآن پاک کی تفسیر کرتا ہو یا اس کی بعض آیات کی تفسیر کرتا ہو اور وہ علوم عربیہ سے غافل ہو اور بلاغت کے اسالیب سے نابلد ہو۔ علماء نے تفسیر کے لیے پندرہ علوم ضروری قرار دیے ہیں جن میں سے علوم عربیہ بھی ہیں۔

فاما مایحتاجہ التفسیر فامور	تفسیر کے لیے چند اُمور ضروری ہیں۔ اوّل علم لغت
الأول علم اللغة لان بہ یعرف	کیونکہ اس سے مفرد الفاظ کی شرح ہوتی ہے اور وضع
شرح مفردات الالفاظ ومعلوماتھا	کے اعتبار سے ان الفاظ کے بارے میں معلومات حاصل
بحسب الوضع ولا یکفی الیسیر اذ قد	ہوتی ہیں اور علم لغت کا تھوڑا علم کافی نہ ہوگا، کیونکہ
یکون اللفظ مشترکا وھو یعلم احد	لفظ کبھی مشترک ہوتا ہے اور ہوسکتا ہے کہ تفسیر
المعنیین والمراد الآخر فمن لم	کرنے والا دو میں سے صرف ایک معنی سے باخبر ہو
یکن عالما بلغات العرب لایحل	جبکہ آیت میں لفظ سے دوسرا معنی مراد ہو۔ تو جو
لہ التفسیر کما قالہ المجاھد	شخص لغات عرب کا علم نہیں رکھتا اس کو تفسیر
الثانی معرفة الاحکام التی للکلم	کرنا جائز نہیں جیسا کہ مجاہد رحمہ اللہ کا قول ہے۔

العربیۃ من جھۃ افرادھا وترکیبھا ویوخذ ذلک من علم النحو۔	دوئم کلمات عربیہ کے افراد و ترکیب کے اعتبار سے احکام کی معرفت۔ یہ علم نحو سے حاصل ہوگی۔
الثالث علم المعانی والبیان والبدیع ویعرف بالاول خواص تراکیب الکلام من جھۃ افادتھا المعنی وبالثانی خواصھا من حیث اختلافھا وبالثالث وجوہ تحسین الکلام وھو الرکن الاقوم واللازم الاعظم فی ھذا الشان کما لا یخفی ذلک علی من ذاق طعم العلوم ولو بطرف اللسان	سوم علم معانی اور علم بیان اور علم بدیع، علم معانی کی وجہ سے افادہ معنی کے اعتبار سے کلام کی ترکیبوں کے خواص معلوم ہوتے ہیں۔ علم بیان کے ذریعہ افادہ معنی میں اختلاف کے اعتبار سے ترکیبوں کے خواص معلوم ہوتے ہیں۔ یعنی کلام کا ظہور و خفاء، تشبیہ وکنایہ کا علم ہوتا ہے۔ اور ثالث تحسین کلام کے طریقے معلوم ہوتے ہیں اور یہ اس معاملے میں رکن اقوم اور لازم اعظم ہے جیساکہ اس شخص پر مخفی نہیں جس نے علوم کا ذائقہ چکھا اگرچہ نوک زبان سے ہی سہی۔

اور مفسرین تو ایک طرف رہے وہ لوگ جو مجتہدین و فقہاء میں شمار ہوتے ہیں ادب عربی میں اُن میں سے بہت سوں کا بلند مقام رہا ہے۔ امام محمد بن الحسن رحمہ اللہ کے بارے میں علّامہ عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں وکان اعلم الناس بکتاب اللہ ماھرا فی العربیۃ والنحو والحساب وعن ابی عبید ما رأیت اعلم بکتاب اللہ من محمد بن الحسن (لوگوں میں کتاب اللہ کو سب سے زیادہ جاننے والے تھے۔ عربیت نحو اور حساب میں ماہر تھے۔ ابو عبید کہتے ہیں کہ مَیں نے محمد بن الحسن سے زیادہ کتاب اللہ کا عالم کسی کو نہیں دیکھا۔)

اسی طرح صاحب ہدایہ علی بن ابی بکر بن عبدالجلیل الفرغانی المرغینانیؒ کے بارے میں لکھتے ہیں۔ کان اماما فقیھا حافظا محدثا مفسرا جامعا للعلوم . . . ادیبا شاعرا لو تر العیون مثلہ فی العلم والادب (وہ امام فقیہ حافظ محدّث مفسّر اور جامع العلوم تھے۔۔۔ ادیب اور شاعر تھے۔ علم و ادب میں آنکھوں نے ان کی مثل کوئی نہیں دیکھا)

اور یہ کبھی نہیں ہُوا کہ کوئی شخص ادب عربی کا ماہر سمجھا گیا ہو۔ حالانکہ وہ ادب جاہلی اور اس کی

بلاغت کے اسالیب سے بے خبر ہو۔ جب یہ بات ذہن نشین ہو گئی تو اب یہ اندازہ کرنا مشکل نہ ہوگا کہ جاوید صاحب اپنی اس عبارت سے کہ فقہ وادب کے دائرے چونکہ الگ الگ ہوتے ہیں اس لیے احکامی آیات کے بعض مقتضیات کو سمجھنے میں فقہاء کی غلطیاں بڑی مشکل پیدا کر دیتی ہیں ... لوگوں کو مغالطہ میں مُبتلا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

۲۔ آیات میراث کے بارے میں جاوید صاحب نے بار بار کہا ہے کہ ان میں اسلوب وہ ہے جو ہر زبان کا ہوتا ہے۔ مثلاً میزان حصّہ اوّل کے صفحہ ۴۸ پر لکھتے ہیں "کلام کا جو اسلوب یہاں اختیار کیا گیا ہے وہ عربی زبان ہی کے ساتھ خاص نہیں۔ دُنیا کی ہر زبان میں عام ہے ..." نیز صفحہ ۵۷ پر ہے "اس مفہوم کے لیے جمع کا یہ اسلوب ہر زبان میں عام ہے۔" اسی وجہ سے اُنھوں نے اُردو زبان میں مثالوں کے ساتھ وضاحت کی ہے۔ جاوید صاحب کے اس قول وعمل کی بناء پر ہمیں بھی اختیار ہوگا کہ جہاں ضرورت سمجھیں اپنی زبان میں مثالوں کے ذریعے سے اپنی بات کی وضاحت کریں۔

بقیہ: توبہ کی ضرورت و اہمیّت

حج بیت اللہ کی ادائیگی

حج بھی بہت سے مردوں اور عورتوں پر فرض ہو جاتا ہے، لیکن حج نہیں کرتے جن پر حج فرض ہو یا پہلے کبھی ہو چکا تھا اور مال کو دوسرے کاموں میں لگا دیا وہ حج کرنے کی فکر کریں جس طرح ممکن ہو اس فریضے کا بوجھ اپنے ذمّہ سے ساقط کر دیں۔

اگر کسی پر حج فرض ہُوا اور اُس نے حج نہیں کیا اور اتنی زیادہ عمر ہو گئی کہ سخت مرض یا بہت زیادہ بڑھاپے کی وجہ سے حج کے سفر سے عاجز ہو اور موت تک سفر کے قابل ہونے کی اُمّید نہ ہو تو ایسا شخص کسی کو بھیج کر اپنی طرف سے حجِ بدل کرا دے۔

اگر زندگی میں نہ کرا سکے تو وارثوں کو وصیّت کر دے کہ اس کے مال سے حج کرائیں، لیکن اُصول شریعت کے مطابق وصیّت صرف ⅓ مال میں جاری ہو سکتی ہے۔ ہاں اگر بالغ ورثا اپنے حصّہ میں سے بخوشی مزید دینا گوارا کریں تو ان کو اختیار ہے۔

وفیات

گزشتہ ماہ ۲ اپریل کو حضرت اقدس بانی جامعہ کے دیرینہ دوست ملک کے نامور آئی سرجن جناب ڈاکٹر یقین صاحب کی خوشدامن صاحبہ اچانک وفات پاگئیں۔ اِنّا للّٰہ و اِنّا الیہ راجعون خدام ادارہ ڈاکٹر صاحب اور اُن کی اہلیہ محترمہ کی خدمت میں تعزیت مسنونہ پیش کرتے ہیں اور دُعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ مرحومہ کی مغفرت فرماکر اپنے جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین جامعہ میں مرحومہ کے لیے ایصالِ ثواب بھی کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔

گزشتہ ماہ ۲۴ اپریل کو حضرت مولانا محمد اجمل خان صاحب مدظلہم سرپرست جمعیت علماء اسلام کی اہلیہ محترمہ وفات پاگئیں۔ اِنّا للّٰہ و اِنّا الیہ راجعون۔ مرحومہ بہت نیک خاتون تھیں۔ اللہ تعالیٰ مرحومہ کی مغفرت فرماکر اعلیٰ فردوس میں جگہ عطا فرمائے۔ پسماندگان بالخصوص حضرت مولانا محمد اجمل خان صاحب کو صبرِ جمیل عطا فرمائے۔ خدامِ جامعہ مولانا کے غم میں برابر کے شریک ہیں۔ جامعہ میں مرحومہ کے لیے ایصالِ ثواب بھی کرایا گیا۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔ آمین۔

ضرورت رشتہ

ایک عالم حافظ گورنمنٹ ملازم کے لیے حافظہ قاریہ کا رشتہ مطلوب ہے۔ ذات پات کی قید نہیں ہے۔ نیک سیرت نیک صورت شرط ہے

رابطہ: قاری غلام رسول جامعہ مدنیہ کریم پارک لاہور۔ فون: ۷۷۲۴۲۷۳

حاصلِ مطالعہ

مولانا نعیم الدّین صاحب ، فاضل و مدرس جامعہ مدنیہ

ہنسنے اور رونے کا معیار

حضرت یحییٰ علیہ السّلام رشتے میں حضرت عیسٰی علیہ السّلام کے ماموں لگتے ہیں ، کیونکہ حضرت یحییٰ علیہ السّلام حضرت عیسٰی علیہ السّلام کی والدہ حضرت مریم علیہا السّلام کے سگے خالہ زاد بھائی تھے۔ دونوں پیغمبر ہم عصر تھے ، لیکن دونوں کے مزاج میں بڑا فرق تھا۔ حضرت عیسٰی علیہ السّلام کے مزاج میں تبسّم تھا۔ اکثر مُسکراتے رہتے تھے اور حضرت یحییٰ علیہ السّلام کے مزاج میں گریہ تھا۔ آپ اکثر روتے رہتے تھے۔

حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے دونوں جلیل القدر پیغمبروں کا ایک دلچسپ واقعہ ذکر فرمایا ہے۔ مناسب معلوم ہُوا کہ اپنے قارئین کو بھی سُنایا جائے۔

حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

" حضرت عیسٰی علیہ السّلام سے حضرت یحییٰ علیہ السّلام کی ملاقات ہُوئی ، حضرت عیسٰی علیہ السّلام کثیر التبسّم تھے (اکثر مُسکراتے رہتے تھے) اور حضرت یحییٰ علیہ السّلام کثیر البکاء تھے۔ (اکثر روتے رہتے تھے) ، حضرت عیسٰی علیہ السّلام نے فرمایا کہ : اے یحییٰ کیا تم خدا کی رحمت سے بالکل نااُمّید ہوگئے ہو کہ کسی وقت تمہارا رونا ختم ہی نہیں ہوتا ، حضرت یحییٰ نے فرمایا کہ : اے عیسٰی کیا تم خدا تعالیٰ کے قہر سے بالکل مامون ہو کہ تم

کو ہر وقت ہنسی ہی آتی رہتی ہے۔

آخر ایک فرشتہ آیا اور کہا کہ خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ہم تم دونوں میں فیصلہ کرتے ہیں کہ اے عیسیٰ جَلوَت میں (لوگوں کے سامنے) تو ایسے ہی رہو جیسے اب رہتے ہو، لیکن خَلوَت (تنہائی) میں یحییٰ کی طرح گریہ وزاری کیا کرو، اور اے یحییٰ خَلوَت میں تو ایسے ہی رہو جیسے اب ہو لیکن لوگوں کے سامنے کچھ تبسّم بھی کر لیا کرو کہ لوگوں کو میری رحمت سے مایوسی نہ ہوجائے کہ جب نبی کا یہ حال ہے تو ہم کو نجات کی کیا اُمّید ہے"[1]

آیاتِ شفاء

امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوزان قشیری الشافعی رحمہ اللہ (م ۴۶۵ھ) اپنے زمانے کے اولیاء کبار میں سے ہوئے ہیں۔ آپ حضرت ابوالحسن خرقانیؒ اور حضرت سیّد علی ہجویریؒ کے ہمعصر اور صاحبِ کشف وکرامت بزرگ تھے، آپ کے ایک صاحبزادہ کی علالت اور صحّت یابی کے متعلق علّامہ تاج الدین سبکی رحمہ اللہ (م ۷۷۱ھ) نے اپنی کتاب میں ایک واقعہ درج فرمایا ہے جسے افادۂ عام کی غرض سے پیش کیا جاتا ہے، علّامہ صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

"ہمیں یہ خبر پہنچی ہے کہ استاذ ابوالقاسم کے ایک صاحبزادے سخت بیمار ہوگئے، یہاں تک کہ اُن کے بچنے کی کوئی اُمّید نہیں رہی، استاذؒ اس سے انتہائی پریشان ہوئے۔ (انہی دنوں) آپ نے حق سبحانہ وتعالیٰ کو خواب میں دیکھا اور بچّے کی بیماری کا تذکرہ کیا، اللہ تعالیٰ نے اُنہیں فرمایا: قرآنِ مجید میں سے آیاتِ شفاء کو اکٹھا کرکے بچّے پر پڑھ کر دم کرو اور ان آیات کو کسی برتن میں لکھ کر پانی سے دھو کر وہ پانی بچّے کو پلاؤ، چنانچہ استاذؒ نے ایسے ہی کیا اور بچّہ بالکل صحیح ہوگیا۔ آیاتِ شفاء

---

[1] وعظ تفاضل الاعمال ص ۱۴

درج ذیل ہیں۔

(۱) وَيَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ

(۲) شِفَآءٌ لِّمَا فِى الصُّدُوْرِ

(۳) فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ

(۴) وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۔

(۵) وَإِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ

(۶) قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ آمَنُوْا هُدًى وَّشِفَآءٌ

علّامہ سبکی رحمہ اللہ یہ واقعہ لکھنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں کہ" میں نے بہت سے مشائخ کو دیکھا ہے کہ وہ یہ آیاتِ شفاء لکھ کر اِن کا پانی شفایابی کے لیے مریض کو پلاتے تھے"[۱]

وسعتِ ظرفی اور مروت واخلاق

طبقۂ تابعین کے دو بزرگ حضرت خواجہ حسن بصری رحمہ اللہ (م ۱۱۰ھ) اور امام محمد بن سیرین رحمہ اللہ (م ۱۱۰) اپنے زمانہ کے کبار محدّثین میں شمار ہوتے ہیں۔ حضرت خواجہ حسن بصریؒ کو خداوند تعالیٰ نے وعظ گوئی کی صلاحیت عطا فرمائی تھی۔ آپ کے زمانے میں وعظ گوئی میں آپ کا کوئی ثانی نہیں تھا اور امام محمدّ بن سیرین کو اللہ تعالیٰ نے فنِ تعبیر میں وہ ملکہ عطا فرمایا تھا جو آپ کے بعد کسی کو نصیب نہیں ہُوا۔ دونوں بزرگ ہم عصر تھے۔ دونوں کا حلقہ وسیع تھا، لیکن اتّفاق ایسا ہُوا کہ دونوں کے مزاج میں فرق ہونے کی وجہ سے بعض مسائل میں شدید اختلاف پیدا ہوگیا، لیکن اس اختلاف کے باوجود دونوں بزرگوں کے تعلقات کشیدہ نہیں ہُوئے اور دونوں بزرگوں نے وسعتِ ظرفی کا وہ معاملہ فرمایا جو آنے والوں کے لیے مشعلِ راہ کی حیثیّت رکھتا ہے، مولانا سیّد مناظر احسن گیلانی رحؒ نے دونوں بزرگوں کے اختلاف کو تفصیلاً ذکر کرتے ہُوئے ایک واقعہ درج فرمایا ہے۔ جی چاہا کہ یہ واقعہ نذرِ قارئین کیا جائے۔ شاید یہ موجودہ دَور کے اختلافات میں راہِ اعتدال اپنانے کا سبب

---

[۱] طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ج ۵ ص ۱۸۵

بن جائے۔

مولانا گیلانیؒ اپنے زمانہ کے اختلافات پر تبصرہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

"کاش اپنے اسلاف کے نقشِ قدم کی جستجو ان میں پیدا ہوتی، مگر اس سے ان میں لاپروائی پیدا ہوئی۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اختلافات کی برداشت اور تحمل کا جو سلیقہ اپنی اُمّت میں پیدا کیا تھا۔ عمومیت کے اس موروثی اور قیمتی سلیقہ کی بربادی میں اُن کے طرزِ عمل سے کافی نقصان پہنچا۔ اگرچہ بحمداللہ مُسلمان بالکلیہ اپنے پیغمبر کے عطا فرمودہ اس نعمت سے ابھی محروم نہیں ہوئے ہیں، کاش! اِن کے خواص اب بھی بزرگوں کے نشانِ راہ کے دیکھنے کی زحمت گوارا فرماتے، یہی خواجہ حسن بصریؒ اور ابن سیرینؒ کے اِس اختلافی قصّہ کو ملاحظہ فرمایئے، عام مُسلمانوں کے جس طرزِ عمل کا نمونہ آپ کے سامنے گزرا، جانتے ہیں کہ اس کے پیچھے کارفرما طاقت کونسی تھی۔

بڑا دلچسپ لطیفہ ہے جسے ابن سعدؒ نے نقل کیا ہے۔ حاصل جس کا یہ ہے کہ خواجہ حسن بصریؒ سے استفادہ کرنے والوں کی تعداد یوں تو بے شمار تھی لیکن سب میں بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ جن صاحب کو امتیازِ خصوصی خواجہ صاحب کی ذات سے حاصل ہوا وہ اسی بصرے کے مشہور عالم و محدّث درویش ثابت البنانیؒ تھے۔ خواجہ کی وفات کے بعد ان کے جانشین علماً و عملاً یہی ثابت البنانیؒ سمجھے جاتے تھے اگرچہ مسلمانوں کی تعلیم و تربیت وعظ و نصیحت میں جتنا انہماک خواجہؒ کو تھا۔ ثابت البنانیؒ خود کہتے تھے کہ اتنی محنت میں برداشت نہیں کر سکتا۔ ابن سعد ہی میں ان کا یہ فقرہ منقول ہے یعنی کہا کرتے تھے۔

"لولا تصنعوا بی ما صنعتم بالحسن لحدثتکم احادیث موثقه ثم — اگر مجھے اس کا اندیشہ نہ ہوتا کہ جو کچھ تم لوگوں نے حسن کے ساتھ کیا وہی میرے ساتھ بھی

قال منعوه القائلة منعوه النوم" (ص ۴۷ ج ۷) کرنے لگو گے تو میں بڑی ستھری حدیثیں تمہیں سناتا، پھر کہتے کہ حسن کو تو لوگوں نے دوپہر کے لوٹ پوٹ سے بھی روک دیا سونے تک سے بھی روک دیا۔

بہر حال قصّہ یہ پیش آیا کہ جس زمانے میں بنی امیہ کا طاغیہ حجاج ثقفی مسلمانوں کی امتیازی ہستیوں کے درپے آزار تھا، خواجہ حسن بصریؒ بھی لوگوں کے مشورے سے کچھ دن کے لیے روپوش ہوگئے تھے۔ اتّفاق کی بات اسی روپوشی کے زمانہ میں جب خواجہ اپنے کسی عقیدت مند کے گھر چھپے ہوئے تھے ان کی صاحبزادی کا انتقال ہوگیا۔ ثابت البنانیؒ نے اس حادثہ کی خبر وہیں جا کر خواجہ کو سُنائی۔ سُننے کی بات یہی ہے۔ ثابت البنانیؒ کو جس قسم کی خصوصیّت خواجہ سے تھی خود اُن کا بیان ہے کہ اسی بنیاد پر خیال کیے ہوتے تھا کہ جنازہ کی نماز پڑھانے کا حکم مجھ ہی کو دیں گے۔ ان کے الفاظ ہیں کہ

"رجوت ان یأمرني ان اصلي عليها۔" (ص ۱۴۸ ج ۷) مجھے اُمّید تھی کہ اس بچّی کے جنازے کی نماز پڑھانے کا حکم حسن مجھے دیں گے

لیکن ثابت البنانیؒ کو حیرت ہوگئی، خود کہتے تھے کہ بچّی کی وفات کی خبر سُن کر کچھ ہدایتیں دیتے رہے یعنی یہ کرنا وہ کرنا، مگر ہدایتوں کا قصّہ جب ختم ہوگیا تو خلافِ توقع ثابتؒ کہتے ہیں کہ حسنؒ کہنے لگے۔

"اذا اخرجتموها فمروا محمد بن سیرین یصلّ علیها" (ایضاً) جب جنازے کو گھر سے باہر نکال کر لے آؤ تو محمد بن سیرین سے کہنا کہ نماز وُہی پڑھائیں۔

یہ واقعہ ذکر کرنے کے بعد مولانا گیلانیؒ تحریر فرماتے ہیں۔

دیکھا آپ نے اپنے بزرگوں کے اس طرزِ عمل کو، اختلاف ایسا کہ ایک طرف حسن بصریؒ کا فیصلہ تھا کہ "تعمیل حکم یا دوزخ کی آگ" دوسری طرف ابن سیرینؒ کے حلقہ سے آواز آتی تھی "رحمت الٰہی یا دوزخ کی آگ"، یہ آمین و رفع الیدین وغیرہ اَولیٰ خلافِ اَولیٰ کے فروعی مسائل کا اختلاف نہ تھا،

عقائد کا اختلاف تھا۔ مگر وقت جب آیا تو بصرے کے سب سے بڑے نمازی بلکہ شاید تاریخِ اسلام کے سب سے بڑے مصلی یا عاشق نماز ثابت البنانیؒ کی نماز پر بھی اس شخص کی نماز کو خواجہ حسن بصریؒ نے ترجیح دی۔ جس سے اِن کو اور جس کو اُن سے اتنا شدید اختلاف تھا۔

میرے نزدیک تو مسلمانوں کے عوام کے مذہبی جھگڑوں کی ذمّہ داری بجائے عوام کے زیادہ تر خواص ہی پر عائد ہوتی ہے۔ ان ہی کے طرزِ عمل کو دیکھ کر ان کے زیرِ اثر عوام بے چارے وُہی رنگ اختیار کر لیتے ہیں۔ اگر خواص ہی اپنے اختلافات میں اتنی گنجائش رکھا کریں جتنی گنجائش خواجہ حسن بصریؒ کے قلب میں ابن سیرینؒ کے متعلق تھی تو یقین مانیے کہ مسلمانوں کے مذہبی اختلاف میں وہ کیفیت کبھی پیدا نہ ہوتی جس کا رنگ دُنیا کے دوسرے مذاہب و ادیان کے ماننے والوں کے مذہبی اختلافات کے لحاظ سے خواہ جتنا بھی ہلکا اور پھیکا ہو، لیکن بجائے خود جو ناگواریاں باہم مسلمانوں میں بھی ان ہی مذہبی جھگڑوں کی وجہ سے جو پیدا ہوئیں وہ بھی نہ ہوتیں، یا لیت قومی یعلمون"[1]

اس مقام پر مولانا گیلانیؒ نے حضرت شیخ محی الدین ابن عربی رحمہ اللہ کا واقعہ بھی ذکر فرمایا ہے جو نہایت عبرت انگیز ہے۔ وہ بھی ملاحظہ فرماتے چلیں۔

مولانا تحریر فرماتے ہیں۔

"اس موقع پر حضرت شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کے اس واقعہ کا ذکر مناسب معلوم ہوتا ہے۔ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی "انفاس العارفین" میں اس واقعہ کو درج فرمایا ہے۔ میں فتوحات شیخ ہی کتاب سے اس کا خلاصہ نقل کر رہا ہوں۔ شیخ فرماتے ہیں کہ ۵۹۰ھ میں جب میں تلمسیان

---

[1] مقالات احسانی ص ۲۳۱ تا ۲۳۵

میں اپنے پیر شیخ ابو مدین کی خدمت میں تھا خواب میں رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو دیکھا، یہ وہ زمانہ تھا کہ ایک شخص کے متعلّق معلوم ہُوا تھا کہ ہمارے حضرت ابو مدین سے وہ کینہ رکھتا ہے، اسی وجہ سے میرے دل میں اس شخص کی جانب سے گرانی تھی۔ خواب میں جمالِ جہاں آرا نبوّت سے جب سرفرازی ھوئی تو مَیں نے دیکھا رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم مجھ سے پُوچھ رہے ہَیں کہ فلاں شخص کو تم کیوں ناپسند کرتے ہو۔ مَیں نے عرض کیا کہ شیخ ابو مدین سے وہ بغض رکھتا ہے۔ فرمایا اللہ اور رسول کو تو دوست رکھتا ہے مَیں نے عرض کیا کہ ہاں! تب حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ ابو مدین سے عداوت رکھتا ہے اس لیے تم بھی اس سے خفا ہو، لیکن مجھ سے اور اللہ سے وہ محبّت رکھتا ہے اس تعلّق سے تم اس سے محبّت کیوں نہیں کرتے شیخ فرماتے ہَیں کہ اسی وقت مَیں نے توبہ کی اور اقرار کیا کہ بلا شُبہ اب وہ میرا محبوب ہے۔ بیدار ہو کر مَیں اور میرا شیخ اس شخص کے پاس گئے۔ خواب کا ماجرا بیان کیا کچھ تحفے تحائف پیش کیے۔ وہ بے چارا بھی رونے لگا اور شیخ ابو مدین سے اس کو جو نفرت تھی وہ بھی اس کے دل سے نکل گئی۔ لطیفہ یہ ہے کہ اس شخص سے شیخ نے پوچھا کہ شیخ ابو مدین جیسے بزرگ سے تمہارے دل میں نفرت کیسے پیدا ہو گئی تھی بولا کہ کچھ نہیں فقیر عید کے دن ان کے پاس تھا بہت سے بکرے آئے۔ سب کو دیا اور مجھے نہ دیا۔ اسی سے دل میں گرانی ہو گئی تھی۔ (ص ۶۴۶ ج ۱۳۱ فتوحات مکیہ)"[1]

---

[1] مقالات احسانی ص ۲۳۱

جامعہ مدنیہ میں ہونے والی

ایک پُروقار تقریب کی مختصر رُوداد

ترتیب: محمد عابد متعلم جامعہ مدنیہ

جامعہ مدنیہ لاہور ان مدارس میں سے ایک ہے جو دینِ حق کے تحفظ و اشاعت کی غرض سے معرضِ وجود میں آئے ہیں۔ اس کا شمار ملک کے عظیم دینی اداروں میں ہوتا ہے۔ اس کی ابتداء ١٣٧٥ھ مطابق ١٩٥٥ء میں ہوئی تھی۔ گویا اس وقت جامعہ زندگی کی ٤٣ ویں بہار پوری کر کے ٤٤ ویں میں داخل ہو رہا ہے۔ اِس مختصر سے عرصہ میں جامعہ نے سینکڑوں عُلما اور کثیر تعداد میں حُفّاظ اور قُرّاء تیار کیے ہیں جو اندرون و بیرون ملک دینی خدمات انجام دے کر تشنگانِ علم و حکمت کی پیاس بجھا کر رُوحانی تسکین کا سامان کر رہے جو بجائے خود جامعہ کی نیک نامی اور حضرتِ اقدس بانیٔ جامعہ قدس اللہ سرہ العزیز کے درجات کی بلندی کا سبب بھی ہے۔ اس وقت بھی بفضلہٖ تعالیٰ جامعہ میں حفظ سے لے کر درسِ نظامی تک کا مکمل انتظام ہے اور ہر ہر درجہ میں طلبہ علومِ نبوی سے فیض یاب ہو رہے ہیں۔

اراکینِ جامعہ مدنیہ اپنے فارغینِ درسِ نظامی و قراءات سبعہ و عشرہ اور روایت حفص نیز فارغینِ طب اور جامعہ میں تکمیل حفظ قرآن پاک کرنے والوں کے لیے ایک بہت بڑے جلسۂ دستار بندی اور تقسیمِ اسناد کا ارادہ رکھتے ہیں اور اس کے لیے کوشاں ہیں۔ اس سے پیشتر جامعہ کے تعلیمی سال ١٤١٧-١٨ھ کے سالانہ امتحان میں کامیاب ہونے والے طلباء کو انعامات اور اسناد تقسیم کرنے کے لیے ٧ ذی الحجہ ١٤١٨ھ ٥ اپریل ١٩٩٨ء بروز اتوار بعد نمازِ مغرب ایک جلسہ منعقد کیا گیا۔ اس جلسہ کی صدارت حضرت مولانا سیّد رحمت اللہ الحُسینی دامت برکاتہم خلیفۂ مجاز شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنی رحمہ اللہ نے فرمائی جبکہ مہمانِ خصوصی خطیبِ اسلام حضرت مولانا محمد اجمل خان صاحب مدظلہم تھے۔

جلسہ کا آغاز حسبِ پروگرام بعد نماز مغرب جامعہ کے سابق طالب علم قاری سراج الدّین صاحب اور جامعہ کے شعبۂ تجوید کے اُستاد مولانا قاری محمد ادریس صاحب کی تلاوتِ کلامِ پاک سے ہُوا۔ تلاوت کے بعد جامعہ کے

ابتدائی درجاتِ کتب کے استاذ مولانا شاہد جاوید صاحب نے جامعہ کے شب و روز کے تعلیمی نظام الاوقات حاضرین کو پڑھ کر سنائے اس کے بعد جناب نائب مہتمم مولانا سیّد محمود میاں صاحب نے بیان فرمایا۔ بیان کے بعد مولانا محمد عرفان صاحب نے اپنی مسحور کن آواز میں حاضرینِ جلسہ کو نعتیہ کلام پڑھ کر سنایا اس کے بعد مہمانِ خصوصی مولانا محمد اجمل خان صاحب نے مفصّل بیان فرمایا۔ آخر میں جناب صدرِ جلسہ مولانا سیّد رحمت اللہ الحسینی دامت برکاتہم نے طلباء کو اپنے دستِ مبارک سے انعامات اور اسناد عطا فرما کر اختتامی دعا فرمائی۔ شعبۂ کتب کے جو طلباء انعام کے مستحق قرار پائے اُن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

نمبر شمار	نام طالب علم	ولدیت	درجہ	نمبر شمار	نام طالب علم	ولدیت	درجہ
۱	محمد عمران	مولانا مفتی قاری عبدالرشید صاحب	عالیہ سالِ دوم	۱۱	عبدالعظیم خان	آزاد خان	القراءات العشرہ
۲	عبدالستار	محمد اسماعیل	؍؍ ؍؍ اوّل	۱۲	انیس الرحمٰن	سعید احمد	؍؍
۳	محمد اکرم	محمد اقبال	خاصہ سالِ دوم	۱۳	حفیظ اللہ	حکیم اللہ	القراءات سبعہ
۴	محمد حارث	محمد اسلم	؍؍ ؍؍ اوّل	۱۴	سردار محمد	رنگین احمد	تجوید سالِ دوم
۵	عبداللہ	مولانا مفتی ڈاکٹر عبدالواحد صاحب	؍؍ ؍؍ ؍؍	۱۵	محمد ندیم	خالد محمود	؍؍ ؍؍ ؍؍
۶	یاسر علی خان	شہباز علی خان	عامہ سالِ دوم	۱۶	محمد شفیق	محمد رفیق	؍؍ ؍؍ ؍؍
۷	عبدالباسط	عبدالواسع	؍؍ ؍؍ اوّل	۱۷	شمس العالم	نور محمد	؍؍ ؍؍ ؍؍
۸	محمد اسامہ	مولانا قاری محمد عثمان صاحب	؍؍ ؍؍ ؍؍	۱۸	عبدالحکیم	محمد عثمان	تجوید سالِ اوّل
۹	محمد یٰسین	عبدالحمید	متوسط سالِ دوم	۱۹	غلام فرید	غلام صدیق	؍؍ ؍؍ ؍؍
۱۰	عبدالرؤف	محمد ارشد	متوسط سالِ اوّل				

شعبۂ تحفیظ القرآن الکریم کے کل ۶۲ طلباء کو اسناد دی گئیں۔

شعبہ تحفیظ القرآن الکریم للبنات کی کل ۱۲ طالبات کو اسناد دی گئیں۔

جامعہ مدنیہ کی شاخ مدرسہ امیر حمزہ رضی اللہ عنہ شام نگر چوبرجی کے کل ۱۲ طلباء کو اسناد دی گئیں۔

اخبار الجامعہ

محمد عابد، متعلم جامعہ مدنیہ

○ ۳ ذی الحجہ ۱۴۱۸ھ بروز بدھ صبح جامعہ کی مسجد میں ایک اصلاحی تقریب منعقد ہوئی۔ تقریب کا آغاز قاری محمد ادریس صاحب کی تلاوتِ کلامِ پاک سے ہوا۔ تلاوت کے بعد قاری محمد عثمان صاحب اور حضرت نائب مہتمم صاحب نے بیان فرمایا۔

○ ۶ ذی الحجہ ۱۴۱۸ھ بروز ہفتہ جناب نائب مہتمم صاحب جامعہ عثمانیہ قصور کے سالانہ جلسہ تقسیم اسناد میں شرکت کے لیے تشریف لے گئے۔ آپ نے جلسہ کی صدارت بھی فرمائی۔

○ ۷ ذی الحجہ ۱۴۱۸ھ بروز اتوار حضرت مولانا سید رحمت اللہ الحسینی دامت برکاتہم خلیفہ مجاز شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ جامعہ کے جلسہ میں شرکت کے لیے تشریف لائے۔ اسی شام جامعہ کی مسجد میں بعد نمازِ مغرب تقسیم انعامات واسناد کے سلسلہ میں ایک جلسہ منعقد ہوا۔ آپ نے اِس کی صدارت فرمائی اور اگلے روز واپس تشریف لے گئے

○ ۸ ذی الحجہ ۱۴۱۸ھ سے جامعہ میں عید الاضحٰی کی تعطیلات شروع ہوگئیں۔

○ ۸ ذی الحجہ ۱۴۱۸ھ کو مفتی محمد عیسٰی صاحب گورمانی مدظلہم گوجرانوالہ سے تشریف لائے اور حضرت نائب مہتمم صاحب سے ملاقات کی۔

○ ۱۴ ذی الحجہ ۱۴۱۸ھ بروز اتوار جناب میجر جنرل (ر) تجمل حسین ملک صاحب بعد عصر تشریف لائے اور نائب مہتمم صاحب سے ملاقات کی۔ جامعہ میں زیرِ تعمیر رہائش گاہوں کو دیکھا اور خوشی و مسرت کا اظہار فرمایا اور جامعہ کی خدمات کو سراہا، آپ نے دورانِ گفتگو افغانستان میں طالبان کی کامیابی اور اسلامی حکومت کے قیام کے متعلق کہا یہ سب دینی مدارس اور جامعات ہی کا فیض ہے اگر ہماری بیس ڈویژن فوج افغانستان میں اُتار دی جاتی تو وہ بھی یہ کرشمہ انجام نہیں دے سکتی تھی جو مدارس کے طالبان نے کر دکھایا۔ جدید ترین ہتھیاروں کو جس انداز میں طالبان استعمال کر رہے ہیں وہ ہماری تربیت یافتہ فوج بھی اس طرح استعمال نہیں کر سکتی، اس کے علاوہ مختلف موضوعات پر گفتگو ہوتی رہی، بعد مغرب آپ واپس تشریف لے گئے۔

○ ۱۶ ذی الحجہ ۱۴۱۸ھ کی صبح حضرت نائب مہتمم صاحب صوبہ سرحد کے مختلف شہروں کا دورہ کرنے کے لیے تشریف لے گئے۔ راستہ میں سب سے پہلے آپ چکوال تشریف لے گئے وہاں آپ نے حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب دامت برکاتہم خلیفہ مجاز شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین احمد صاحب مدنی رحمہ اللہ سے ملاقات کی اور پیر عبدالرحیم صاحب نقشبندی کی والدہ کی تعزیت کی بعد ازاں واہ کینٹ جانا ہوا۔ شام کو آپ سخاکوٹ پہنچ گئے۔ بروز جمعرات بعد دوپہر شمسی ضلع مردان جانا ہوا۔ جہاں سیّد فیروز شاہ صاحب گیلانی کے یہاں قیام ہوا۔ بعد نمازِ عصر بیان بھی فرمایا مغرب بعد واپسی ہوئی۔ اگلے روز سخاکوٹ میں آپ نے صاحبزادہ خالد جان، حاجی ولی محمّد خان نواز خان اور ڈاکٹر عمرا ٹی گُل سے ملاقات کی۔ حسنِ اتّفاق کہ حضرت اقدس بانی جامعہ رحمہ اللہ کے پرانے دوست اور محب حضرت مولانا فضل الدیان صاحب مدظلہم بھی سخاکوٹ تشریف لائے ہوئے تھے۔ ان کے شدید اصرار پر عمرزئی کا پروگرام برقرار باقی رکھا اور حسبِ سابق رات کا قیام قاضی صاحب اور ان کے برادر بزرگ حضرت مولانا فضل المنان صاحب مدظلہم کے یہاں ہوا، راستہ میں شیر گڑھ دارالعلوم کے مہتمم حضرت مولانا احمد صاحب مدظلہم سے ملاقات کی اور کچھ دیر مدرسہ میں قیام کیا، عمرزئی میں مدرسہ تعلیم القرآن کے مہتمم حضرت مولانا سبحان اللہ صاحب مدظلہم فاضل جامعہ مدنیہ سے ملاقات کی اور صاحبزادہ یحییٰ جان کے یہاں بھی جانا ہوا۔ ہفتہ کے روز پشاور تشریف لے گئے۔ وہاں مولانا ایّوب جان صاحب کی مزاج پُرسی کی۔ کچھ دیر بیٹھے اور دعاؤں کے ساتھ رُخصت ہوئے اور شام کو نوشہرہ پہنچے وہاں مولانا مجاہد خان صاحب سے ملاقات کی، مولانا مجاہد صاحب نے بڑی محبّت اور اصرار کے ساتھ رات کا کھانا اپنے یہاں کھلایا اور ہنسی خوشی رُخصت کیا، بروز پیر سفر سے واپسی پر دامان ضلع اٹک میں اپنے اُستاذِ محترم اور جامعہ کے سابق اُستاذ الحدیث حضرت مولانا ظہور الحق صاحب مدظلہم العالی کی زیارت کی اور دُعائیں لیں اور جامعہ کے سابق اُستاذ الحدیث حضرت مولانا کریم اللہ صاحب کے صاحبزادے مولانا انوار اللہ صاحب سے بھی ملاقات کی، منگل کے روز صبح بخیر آپ واپس تشریف لے آئے۔

○ ۱۶ ذی الحجہ ۱۴۱۸ھ بروز منگل سے شعبہ تحفیظ القرآن الکریم میں تعلیم کا دوبارہ آغاز ہوا۔

○ ۲۴ ذی الحجہ ۱۴۱۸ھ بروز بدھ سے شعبہ کُتب میں تعلیم کا دوبارہ آغاز ہوا۔